رہی رسمِ اذاں روحِ بلالی نہ رہی

اقبال کے اشعار قرآن کی روشنی میں

محمد بدیع الزماں

رہ گئی رسمِ اذاں روحِ بلالیؓ نہ رہی

اقبال کے اشعار قرآن کی روشنی میں

محمد بدیع الزماں

(ریٹائرڈ ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ)

پٹنہ

جملہ حقوق بحق پبلشر محفوظ ہیں

نام کتاب : ـــــــــ رہ گئی رسمِ اذاں روحِ بلالی نہ رہی

مولف : ـــــــــ محمد بدیع الزماں

سنہ اشاعت : ـــــــــ سنہ ۱۹۹۲ء

قیمت : ـــــــــ 45-00

مطبع : ـــــــــ نشاط آفسٹ پریس ٹانڈہ فیض آباد۔

کاتب : ـــــــــ وکیل احمد خاں مبارکپور ٹانڈہ

سرورق طارق اعظم ٹانڈوی

ناشر

دانش بک ڈپو ٹانڈہ فیض آباد۔ یو۔پی ۲۴۱۹۰

انتساب

اقبال کے اِس شعر کے نام ؎

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانشِ فرنگ
سُرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف

(بالِ جبریل غزل ۱۶)

فہرست

عرضِ مصنف ——— ۵

"محرابِ گل افغان کے افکار" (قرآن اور احادیث کی روشنی میں) ——— ۶

یوم النشور ——— ۱۴۱

"عمل سے زندگی بنتی ہے جنّت بھی جہنّم بھی" ——— ۱۶۶

"رہ گئی رسمِ اذاں روحِ بلالیؓ نہ رہی" ——— ۱۸۱

"علم و عشق" (اقبال کی نظم قرآن کی روشنی میں) ——— ۱۹۰

"چشمِ مسلم دیکھ لے تفسیرِ حرفِ یَنْسَلُوْنَ" ——— ۱۹۶

اقبال کے چند اشعار قرآن کی روشنی میں ——— ۲۰۴

حرفِ آخر ———

تشریح اشعار متعلقہ ——— ۲۱۹

باسمہٖ تعالیٰ

عرضِ مصنّف

اقبالؔ پر میرے مطالعہ کے دو دور ہیں۔ ایک سنہ ۱۹۶۸ء سے سنہ ۱۹۷۵ء تک اور دوسرا سنہ ۱۹۸۴ء سے اب تک۔ پہلے دَور میں میں نے اقبالؔ کے فکر و فن پر قریب چالیس مضامین سپردِ قلم کئے جو ملک کے ادبی رسالوں میں شائع ہوا کئے۔ انہی شائع شدہ مضامین کا ایک مجموعہ موسومہ بہ "پیامِ اقبالؔ" جو ۱۹ مضامین پر مشتمل ہے، بہار اُردو اکاڈمی کے مالی اشتراک سے دو سال قبل شائع ہو چکا ہے۔ اس کا پیش لفظ پروفیسر جگن ناتھ آزاد نے لکھا ہے۔

دوسرے دور میں میں نے اقبال کی غزلوں، نظموں اور منفرد اشعار کو قرآن کی روشنی میں پیش کرنا شروع کیا اور ان چار سالوں میں قریب پچاس ایسے مضامین شائع ہو چکے ہیں۔ اور انہی مضامین کا ایک مجموعہ قارئین کے ہاتھوں میں ہے۔ ایسے دو اور مجموعے، جن کے ہر مجموعہ کی ضخامت اس کتاب سے دوگنی ہے، اشاعت کے مرحلوں سے گزر رہے ہیں اور ایک زیرِ ترتیب ہے۔

میں دانش بک ڈپو اور نشاط آفسٹ پریس کا انتہائی مشکور ہوں کہ انہوں نے ایسے مضامین کا ایک مجموعہ شائع کرنے کی خود پیشکش کی۔ میں اقبالؔ سے ان کے ذاتی لگاؤ اور ادبی خدمات کے حوصلوں کی قدر کرتا ہوں۔ خدا اِن کے حوصلوں کو بلند رکھے۔ آمین

میں اِس ڈپو کو عرصہ چالیس سے جانتا ہوں اور اس کی شائع شدہ کچھ کتابیں میرے پاس موجود ہیں۔ میں کیا جانتا تھا کہ ایک دن یہ ڈپو مجھے اپنی فہرست کتب میں شامل کرے گا۔ خدا کرے یہ کتاب قارئین کے روحانی مسرّتوں کا باعث بنے۔

محمد بدیع الزّماں

(ریٹائرڈ ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ)

ہارون نگر کالونی فرسٹ سیکٹر۔ پھلواری شریف۔ پٹنہ۔ پن ۸۰۱۵۰۵

۷۸۶

محراب گُل افغان کے افکار

(قرآن اور احادیث کی روشنی میں)

اقبالؔ نے اپنے آخری مجموعۂ کلام "ضربِ کلیم" کو (جو ۱۹۳۶ء میں شائع ہوئی) چھ مختلف حصّوں میں چھ مختلف عنوانات کے تحت ترتیب دیا ہے۔ جس میں "محراب گُل افغان کے افکار" آخری حصّہ ہے۔ پہلے پانچ حصّوں کے تحت نظموں اور غزلوں کی سُرخیاں درج ہیں مگر اس آخری حصّہ میں جسے انہوں نے بیس الگ الگ بندوں میں تقسیم کیا ہے، کسی بند کی کوئی سُرخی یا عنوان نہیں۔ البتہ ہر بند میں اشعار کا معنوی تسلسل ضرور ہے۔ یہ بیس بند اُن معنوں میں بند نہیں جن معنوں میں عام طور سے نظموں میں لیا جاتا ہے مگر اس مضمون میں، قرآن اور احادیث کی روشنی میں "محراب گل افغان کے افکار" کے تحت اقبالؔ کے افکار و تصورات کا تجزیہ کیے جانے کے لئے ایسے بند ہی کہا گیا ہے تاکہ قارئین کو حوالوں میں آسانی ہو۔ اگر بہ نظرِ غور دیکھا جائے تو "محراب گل افغان کے افکار" اقبالؔ کے ۷۸۶ Thoughts معلوم ہوتے ہیں مگر اس کے باوجود ان بندوں میں انہوں نے اپنے افکار و تصوّرات کے انہی گوشوں کی نقاب کشائی کی ہے جن کے تحت انہوں نے اپنا سارا کلام کہا اور ان سبھی افکار و تصوّرات کی تلخیص اس میں ایک جگہ جمع کر دی ہے۔ میرا خیال ہے کہ، خدانخواستہ زمانے کے ہاتھوں اگر کبھی اقبالؔ کا سارا اُردو کلام شکار بھی ہو جائے اور اگر صرف "محراب گل افغان کے افکار" ہی باقی رہ جائے تو اقبالؔ کی ابدیت کے لئے کافی ہے۔

اِس حصّہ کا، قرآن اور احادیث کی روشنیوں میں، تجزیہ اس لئے کیا جا رہا ہے چونکہ اقبالؔ کے بہت کم اشعار ایسے ہیں، خواہ وہ غزل کے ہوں یا نظم کے، مرثیہ کے ہوں یا مثنوی کے، رباعی کے ہوں یا قطعہ کے، جن کا قرآنی جواز نہ ہو۔ بہ ظاہر ان کے اشعار میں قرآن کی کسی آیت یا حدیث کی

کسی روایت کی ترجمانی نظر نہیں آتی مگر زیادہ تر اشعار کسی آیت یا روایت کی یا تو ہو بہو تلمیح ہیں یا اُن سے ماخوذ یا اُن پر مبنی۔ یہ نہیں کہ اقبالؔ نے قرآن اور احادیث کو ہر وقت سامنے رکھکر شاعری کی ہے مگر قرآن اور روایات پر انہیں اتنا عبور حاصل تھا اور وہ اُن کی گہرائیوں میں اتنا ڈوب چکے تھے مگر ان تعلیمات اور ہدایات کو، جو قرآن اور روایات میں مذکور ہیں، شعر کا جامہ پہنانے پر قادر تھے۔

قرآن نے اقبالؔ کے تخیّل اور تصوّر اور فکر و اندیشہ میں پرواز کی محیر العقل اور معجزانہ طاقت عطا کی تھی۔ یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ "اقبالیات" اِسی قرآنی دریافت کی تعبیر و تفسیر ہے۔ ایک مفکر نے بجا فرمایا ہے کہ :-

> "مغربی تعلیم و تہذیب کے سمندر میں قدم رکھتے وقت وہ (اقبالؔ) جتنا مسلمان تھا اُس کے منجدھار میں پہنچ کر اُس سے زیادہ مسلمان پایا گیا۔ اُس کی گہرائیوں میں جتنا اترتا گیا اُتنا ہی زیادہ مسلمان ہوتا گیا۔ یہاں تک اُس کی تہہ میں جب پہنچا تو دُنیا نے دیکھا کہ وہ قرآن میں گُم ہو چکا ہے اور قرآن سے الگ اُس کا کوئی فکری وجود باقی ہی نہیں رہا۔ وہ جو کچھ سوچتا تھا جو کچھ دیکھتا تھا، قرآن کی نظر سے دیکھتا تھا۔ حقیقت اور قرآن اس کے نزدیک شئے واحد تھے اور اس شئے واحد میں وہ اس طرح فنا ہو گیا تھا کہ اُس دَور کے علماء دین میں مجھے کوئی ایسا شخص نظر نہیں آیا جو فنائیت فی القرآن میں اس امامِ فلسفہ اور اس ایم۔ اے، پی۔ ایچ۔ ڈی، بار ایٹ لا سے لگّا کھاتا ہو سالہا سال کے علوم و فنون کے دفتروں میں غرق رہنے کے بعد جس نتیجے پر پہنچے تھے وہ یہ تھا کہ اصل علم قرآن ہے اور جس کے ہاتھ آجائے وہ دُنیا کی تمام کتابوں سے بے نیاز ہے ۔۔۔۔۔۔۔۔ اُنہوں نے اپنے سارے تفلسف اور اپنی تمام عقلیّت کو رسولِ عربیؐ کے قدموں پر ایک متاعِ حقیر کی طرح نذر کر کے رکھ دیا تھا۔ حدیث کی چند باتوں پر نئے تعلیم یافتہ نہیں، پُرانے مولوی تک کان کھڑے کرتے ہیں اور پہلو بدل بدل کر تاویلیں کرنے لگتے ہیں۔

یہ ڈاکٹر آف فلاسفی اُن کے ٹھیٹھ لفظی مفہوم پر ایمان رکھتا تھا.....
کسی کو خبر نہ تھی کہ اِس کوٹ کے اندر جو شخص چھپایا ہوا ہے اس کی اصلی شخصیت کیا ہے۔"

(از مضمون: "حیاتِ اقبال کا سبق" اسٹوڈنٹس میگزین
"جوہر" اقبال نمبر۔ جامعہ ملیہ یونیورسٹی۔ دہلی ۱۹۳۸ء)

محراب گل افغان ایک فرضی نام ہے۔ اقبال کے اُردو کلام کی یہ خصوصیت ہے کہ اثر آفرینی کے لئے وہ ہمیشہ اپنے افکار یا تو مکالمہ کے طور پر پیش کرتے ہیں یا بجائے براہِ راست کہنے کے دوسروں کی زبانی اِن کا اظہار کراتے ہیں۔ محراب گل افغان کی زبانی اپنے افکار کی ترسیل کی وجہ سے یہ ہوسکتی ہے کہ اقبال اعلحضرت محمد نادر شاہ کی دعوت پر اکتوبر ۱۹۳۳ء میں یونیورسٹی قائم کرنے کے لئے کابل بلائے گئے تھے۔ سفر میں وہ غزنی اور قندھار بھی گئے اور سلطان محمود غزنوی، حکیم سنائی اور حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری کے والدِ محترم کے مزارات پر فاتحہ خوانی بھی کی۔ سفر کے دوران انہیں افغانستان کے کہستانوں اور بیابانوں کو بہت نزدیک سے دیکھنے کا موقع ملا جہاں صرف پہاڑ ہی پہاڑ ہیں اور افغانی زیادہ تر اُن کی وادیوں میں رہتے ہیں۔ ان کہساروں اور بیابانوں کو دیکھ کر شاید اقبال کو عرب کی سرزمین یاد آئی جہاں کلمۂ حق کا آوازہ پہاڑ کی چوٹیوں، بیابانوں اور صحراؤں سے بلند ہوا تھا جو خودی کی تربیت کے لئے زیادہ موزوں ہے۔ افغانستان کے کہستانوں اور بیابانوں کو علامتی بنا کر اقبال مسلمانوں کو یہ ذہن نشیں کراتے ہیں کہ ایک وہ بھی مسلمان تھے جنہوں نے صرف تسلیم و رضا کی خاطر اُن صحراؤں، بیابانوں اور کہستانوں کی صعوبتیں برداشت کر کے کلمۂ حق کو بلند کیا اور نتیجۃً

نام لیوا جس کے شہنشاہِ عالم کے ہوئے
جانشیں قیصر کے، وارث مسند جم کے ہوئے

(بانگِ درا۔ "بلادِ اسلامیہ")

گرچہ "محراب گل افغان کے افکار" کے تحت اقبال نے الگ الگ نکتوں پر الگ الگ بندوں میں اظہارِ خیال کیا ہے مگر کچھ نکتے جیسے خودی، فقر، عمل اور شاہین کی اصطلاحات بہت سے

بندوں میں مشتمل ہیں کیونکہ اقبالؔ نے ساری زندگی انہی چند نکتوں کی صراحت، توضیح اور تلقین مختلف طریقوں سے، مختلف غزلوں اور نظموں میں کی ہے۔ اس لئے کہ ایک مسلمان کے ایمان کے یہی عناصر ترکیبی ہیں اور اُسوۂ حسنہ کی پیروی انہی نکتوں کے دل میں جاگزیں ہونے پر ممکن ہے ورنہ بقول اقبالؔ ؎

مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے

اقبالؔ کی دور رس نگاہوں نے دیکھا کہ بے شمار اخلاقی، تعمیری اور انقلابی تحریکوں کے باوجود مسلمان ساری دنیا میں تاش کے پتوں سے بنے ہوئے گھروں کی طرح لڑکھڑا لڑکھڑا کے گرتے جا رہے ہیں۔ آخر کیوں؟۔ صرف اِس لئے کہ ان ساری تحریکوں نے انسان کو جیوں کا تیوں رکھ کر صرف خارجی نظام کو بدلنے کی تدبیریں کیں اور انسان اندر سے نہ بدل سکا۔ اقبالؔ نے مسلمانوں کی روحانی اصلاح کی ایک واعظ کی طرح نرم و شیریں انداز سے کچھ نصیحتیں کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ تاریخ کے دھارے کو پیش نظر رکھ کر حالات و واقعات کو پرکھا اور وقت کی مصلحت کو سمجھا اور حکیمانہ نقطۂ نگاہ اختیار کر کے مسلمانوں کی باطنی اصلاح کرنی اپنا نظریۂ شاعری قرار دیا کیونکہ وہ شاعری میں اس کے قائل تھے کہ ؎

شانِ خلیل ہوتی ہے اُس کے کلام سے عیاں
کرتی ہے اُس کی قوم جب اپنا شعار آذری

(بانگِ درا: "شاعر")

قبل اس کے کہ "محراب گُل افغان کے افکار" کے مختلف بندوں کا تجزیہ قرآن اور احادیث کی روشنیوں میں کیا جائے یہ ضروری ہے کہ اِن بندوں میں آنے والے چند اہم نکتے جیسے خودی، فقر، عشق پر اقبال کے تصوّرات کو ذہن نشیں رکھا جائے۔ ذیل میں ایسے ہی نکتوں پر پہلے روشنی ڈالی جا رہی ہے۔

خودی

خودی اقبالؔ کے نزدیک ایک نقطۂ نوری اور فلسفۂ حیات ہے۔ اُن کے وحدتی نظام فکر میں نفسِ مطلق یا خودی مطلق صرف ماورائی منزل نہیں بلکہ کائنات کے ارتقار کا جذبۂ محرک بھی ہے جو کائنات کے ارتقا کی سمت متعین کرتا ہے۔ اُن کے نزدیک یہ ایک محور و مرکز کی طرح ہے جسکے گرد اس نظام فکر کے اجزار اور عناصر گردش کرتے ہیں جن سے ان کی مراد احساس نفس یا یقینِ ذات ہے۔ "اسرار خودی" کے دیباچہ میں اقبالؔ نے اِس کی وضاحت اس طرح کی ہے :-

"خودی وحدتِ وجدانی یا شعور کا وہ روشن نقطہ ہے جس سے تمام انسانی تخلیقات وجذبات وتمنیات مستیز ہوتے ہیں۔ یہ پُر اسرار شئے جو فطرتِ انسانی کی منتشر اور غیر محدود کیفیتوں کی شیرازہ بندی ہے ..... اپنے عمل کی رو سے ظاہر اور اپنی حقیقت کی رو سے مضمر ہے۔ وہ تمام مشاہدات کا خالق ہے مگر اس کی لطافت مشاہدے کی گرم نگاہوں کی تاب نہیں لاسکتی ..... خودی ایسی مخلوق ہے جو عمل سے لازوال ہو سکتی ہے"

اقبالؔ نے اسلام کی حقیقی تہذیب کی اساس پر خودی کے تصوّر کو از سرِ نو مرتب کیا اور جدید اسلامی فکر کو اس کا تصوّر دیا۔ اُنہوں نے مسلمانوں کے انحطاط اور زوال اور اُن کے اپنے مرتبے اور مقام کی طرف سے بے خبری کو نفیٔ خودی سے تعبیر کیا اور اس کا علاج اثباتِ خودی یا احساسِ نفس قرار دیا۔ کہتے ہیں ؎

تری زندگی اسی سے، تری آبرو اسی سے
جو رہی خودی تو شاہی، نہ رہی تو روسیاہی

("بالِ جبریل"۔ غزل ۲۲)

خودی میں گم ہو، خدائی تلاش کر غافل
یہی ہے تیرے لئے اب صلاح کی راہ

("بالِ جبریل"، غزل ۲۳)

الغرض اقبالؔ کے یہاں خودی انسان کے ذاتی کمالات اور فطری تاثرات سے باخبر ہو کر عملی طور پر اُن کی حفاظت کرنے کا نام ہے۔ یہ تمام احساسات اور تصوّرات ذہن کو ایک منظم صورت میں قائم رکھ کر اُسے اپنے فلاح و بہبود کے لئے استعمال کر کے ہمیں حقیقی معنوں میں نیابتِ الٰہی کا مستحق بناتی ہے۔ اور اس درجے پر پہنچ کر صاحبِ خودی اور ملّت میں توافق اور ہم آہنگی پیدا ہوتی ہے۔ اقبالؔ صرف فرد کی ترقی اور تکمیل کے قائل نہیں تھے۔ ان کے یہاں فرد کا کام صرف یہی نہیں کہ اپنی خودی کو مرتبۂ کمال تک پہنچا کر جماعت سے مُنہ موڑ کر صرف اپنی ذاتی فلاح و بہبود میں لگ جائے۔ بلکہ اپنی تمام تر تربیت یافتہ صلاحیتوں کو جماعت کے حصول پر لگا دے۔ اس لئے ان کا کہنا تھا کہ ؎

فرد قائم ربطِ ملّت سے ہے، تنہا کچھ نہیں

خودی کے مرتبۂ کمال تک پہنچانے کی اوّل شرط تزکیۂ نفس ہے جس کے متعلق قرآن میں ارشاد ہے:۔

"فلاح پاگیا وہ جس نے پاکیزگی اختیار کی۔ (قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی) "

(سورۃ الاعلیٰ ۸۷۔ رکوع ۱)

"یقیناً فلاح پاگیا وہ جس نے نفس کا تزکیہ کیا (قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰهَا)

اور نامُراد ہوا وہ جس نے اس کو دبایا (وقد خاب من دسّٰها)

(سورۃ الشمس ۹۱۔ رکوع ۱)

یہ پاکیزہ نفس جب "عشق" اور "علم" سے محکوم ہو کر فقر کی سان پر چڑھ جاتی ہے تو ایسی ہی خودی "نفسِ مطمئنّہ" بن جاتی ہے جس نفس کے لئے خدا نے، روزِ محشر، یہ بشارت دی ہے کہ:۔

"اے نفسِ مطمئن (یٰٓاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ)، چل اپنے ربّ کی طرف اس حال میں کہ تو (اپنے انجامِ نیک سے) خوش، (اور اپنے ربّ کے نزدیک) پسندیدہ ہے۔ اور شامل ہو جا میرے (نیک) بندوں میں، اور داخل ہو جا میری جنّت میں" ـــــ (سورۃ الفجر ۸۹۔ رکوع ۱)

قرآن میں "علم" سے مراد قرآن کا علم اور "عشق" سے مراد عشق رسولؐ ہے۔ اس لئے کسی انسان کی خودی (نفس مطمئنہ) علم اور عشق کی بدولت ہی ترتیب اور تشکیل پاتی ہے جسے اقبال نے لطیف انداز میں پیش کیا ہے

خودی ہو علم سے محکم، تو غیرتِ جبریل
اگر ہو عشق سے محکم، تو صورِ اسرافیل

(بال جبریل: غزل ۴۲)

فقر: اقبال کے فکری نظام میں فقر بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ جس کے ڈانڈے عشق سے ملتے ہیں اور جہاں عشق اور خودی کے تصورات باہم شیر و شکر نظر آتے ہیں۔ جب اقبال فقر کے ڈانڈے عشق سے ملاتے ہیں تو ان کی مراد یہ ہے کہ ؎

ہمت ہو اگر تو ڈھونڈ وہ فقر — جس فقر کی اصل ہے جسارت
اس فقر سے آدمی میں پیدا — اللہ کی شانِ بے نیازی
روشن اس سے خرد کی آنکھیں — بے سُرمۂ بوعلی و رازی
ہے اس کی نگاہ عالم آشوب — در پردہ وہ تمام کارسازی
یہ فقر غیور جس نے پایا — بے تیغ و سناں ہے مرد غازی

مومن کی اسی میں ہے امیری
اللہ سے مانگ یہ فقیری

(ضربِ کلیم: "جاوید سے۔ (۳)")

اس طرح اقبال کے نزدیک فقر سے مراد دل اور نظر کی عفت اور طہارت ہے جو جسمانی اور عارضی زندگیوں کی تحریکات اور ترغیبات کو ترک کر کے انفس و آفاق پر غلبہ اور تفوق حاصل کرنے کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ یا یوں کہا جائے کہ یہ نفس اور روحانی زندگی کی ایک تنزیہی کیفیت کے حصول کے مترادف ہے۔

اقبالؔ کا یہ فقر مسکینی و محرومی کی علامت نہیں بلکہ ایک انقلابی قوت ہے جو حق و باطل کی جنگ میں حق کی قوت بن کر ملوکیت کے مدمقابل آتا ہے۔ اسی لئے وہ فقیری میں بوئے اسد اللہی کے متلاشی ہیں کیوں کہ یہی جذبہ اپنے کو الوہی صفات سے متصف کرنے کے لئے دل میں جگہ پیدا کر لیتا ہے تو انسان سعی کا منتہائے مقصود بن جاتا ہے۔ انسان کی خودی جب فقر کے سان پر چڑھتی ہے تو اس کے عشق میں ایک وجدانی کیفیت اور خیر کی قوت پیدا ہوتی ہے اس فقر و استغنا سے مراد بے نیازی ہے۔ یعنی ایسے فقیر کو مادّی وسائل کی موجودگی اور غیر موجودگی کا خیال تک نہیں آتا کیوں کہ اس کا براہ راست تعلق روحانیت سے ہے۔ یہ فقر توحید کا رازدار اور متاع مصطفویؐ کا امین ہے اقبالؔ کا مرد مومن فقیر اولیٰ ہے جس کے فقر کے عناصر ترکیبی میں صدق و اخلاص، ذوق و شوق اور تسلیم اور تسخیر شش جہت کے عناصر شامل ہیں اسوۂ حسنہ کی پیروی اور شریعت محمدیؐ کو اپنا مزاج بنا لینا ہی فقر ہے۔ ارشاد ربانی ہے :۔

ہم جو رسول بھیجتے ہیں تو اس لئے بھیجتے ہیں کہ وہ نیک کردار لوگوں کے لئے خوش خبری دینے والے اور بدکاروں کے لئے ڈرانے والے ہوں پھر جو لوگ ان کی بات مان لیں اور اپنے طرز عمل کی اصلاح کریں ان کے لئے کسی خوف اور رنج کا موقع نہیں۔ اور جو ہماری آیات کو جھٹلائیں وہ اپنی نافرمانیوں کی پاداش میں سزا بھگت کر رہیں گے "

(سورۃ الانعام ۶- رکوع ۵)

یہ کہ فقر مترادف ہے اتباع رسول سے اس پر ایک روایت ہے کہ :۔

ایک صحابی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا : "یا رسول اللہؐ مجھے آپ سے محبت ہے" حضورؐ نے فرمایا: دیکھ کیا کہتا ہے" انھوں نے پھر یہی عرض کیا کہ: "مجھے آپ سے محبت ہے" حضورؐ نے پھر یہی ارشاد فرمایا۔ جب تین مرتبہ سوال و جواب ہوا تو حضورؐ نے فرمایا کہ: اچھا، اگر تم اپنی بات میں سچے ہو تو فقر کو اوڑھنے بچھانے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ اس لئے کہ

مجھ سے محبت رکھنے والوں کی طرف فقر ایسے زور سے دوڑتا ہے۔ جیسا کہ پانی اونچان سے دوڑتی ہے"

(فضائلِ اعمال: حکایات صحابہؓ)

عشق بے عشق کے بغیر خودی یعقوبؑ کا وہ بیت الحزن ہے جس میں وہ اپنے یوسفِ گم گشتہ کے فراق میں تڑپ رہا ہو کیوں کہ عشق کے بغیر خودی ایک اندھی قوت ہے اگر دنیا میں عقل کے ساتھ عشق نہ ہوتا تو عقائد میں حشر و نشر، جزا و سزا اور الہیات کا تعلق نہ ہم پہ واضح ہوتا ہے اور نہ کوئی دوسری چیز ہماری رہبری کر سکتی تھی ؎

عقل و دل و نگاہ کا مرشدِ اولین ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دیں بتکدۂ تصورات

(بالِ جبریل: "ذوق و شوق")

اقبال جس عشق کی تلقین کرتے ہیں وہ ایک فطری جذبہ ہے۔ عاشق کے صفات کے متعلق "زبورِ عجم" میں ایک جگہ کہتے ہیں ؎

عاشق آن شیست کہ لب گرم فغانے دارد
عاشق آن است کہ بر کف دو جہانے دارد
عاشق آن است کہ تعمیر کند عالمِ خویش
ورنہ سازد بہ جہانے کہ کرانے دارد

عشق کے کمالات اقبال نے "جاوید نامہ" میں بتایا ہے کہ

عشق بانانِ جویں خیبر کشاد — عشق در اندامِ مہ چاکے نہاد
کلمۂ نمرود بے جمرے شکست — لشکرِ فرعون بے خربے شکست

عشق سلطان است و برہاں مبین
ہر دو عالم عشق را زیر نگیں

عشق سے پیدا شدہ سوز و گداز کی کیفیتوں پر اقبالؔ نے "اسرار خودی" کے انگریزی مقدمہ میں لکھا ہے کہ :-

"انا کا استحکام عشق ہی سے ہوتا ہے۔ یہ لفظ (اس موقع پر) بہت ہی وسیع معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اس کے معنی ہیں جذب کر لینے اور اپنے آپ میں سمو لینے کی خواہش۔ اس کی سب سے اعلیٰ صورت قدروں اور نصب العینوں کی تخلیق اور ان کو ایک واقعیت بنا لینے کی کوشش ہے عشق عاشق اور معشوق دونوں کو منفرد بنا دیتا ہے۔" انا" کے "استحکام کے لئے ہمیں عشق یعنی جذب کر لینے والی طاقت کو نشو نما دینا چاہیئے۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ کی سیرت میں جذب کر لینے والے عمل کا سبق موجود ہے اور خصوصاً ایک مسلمان کے لئے۔

عمل : اقبالؔ کے مرد مومن کا عمل عشق کے شعلوں سے فروزاں رہتا ہے عمل کی راہ سے گذرتے ہوئے جو مشکلات اُسے درپیش ہوتی ہیں اسے وہ آئین جواں مردی کے مطابق حق گوئی، بیباکی اور جرأت سے مقابلہ کرنا اور خارا تراشی کی جگہ خارا گدازی کرتا ہے

مرد خدا کا عمل عشق سے صاحب فروغ
عشق ہے اصل حیات، موت ہے اس پر حرام
(بال جبریل "مسجد قرطبہ")

اقبال کے یہاں ایک تربیت یافتہ خودی ہمیشہ راہ عمل پر گامزن رہتی ہے کیوں کہ سلسلۂ عمل اسی کا مقتضی ہے کہ فرد پہلے اپنے آپ کو پہچانے، اپنی فطری صلاحیتوں کی نوعیت کو سمجھے اور ان کی نوعیت کے مطابق ان کی تربیت کرے ان کو بروئے کار لا کر راہ عمل پر گامزن ہو۔ خدا نے انھیں خلیفۃ الارض کے سند جلیلہ کی وسیع آزادی بخشی۔ زمین و آسمان کی تمام طبعی قوتوں کو انسان کے لئے بالقوہ مسخر کر دیا کیوں کہ خدا خود فرماتا ہے۔

"کیا تم لوگ نہیں دیکھتے کہ اللہ نے زمین اور آسمانوں کی ساری چیزیں

تمہارے لئے مسخر کر رکھی ہیں اور اپنی کھلی اور چھپی نعمتیں تم پر تمام کر دی ہیں

(سورۃ لقمٰن ۳۱ رکوع ۳)

"واقعہ یہ ہے کہ جو کچھ سروسامان بھی زمین پہ ہے اس کو ہم نے زمین کی زینت بنایا ہے تاکہ ان لوگوں کو آزمائیں کہ ان میں کون بہتر عمل کرنے والا ہے۔ آخر کار اس سب کو ہم ایک چٹیل میدان بنا دینے والے ہیں

(سورۃ الکھف ۱۸۔ رکوع ۱)

اقبال کے نزدیک عمل کی آزادی اور جادۂ تسلیم و رضا کا فرق ایک ہی حقیقت کے دو نام ہیں۔ کہتے ہیں ؎

فطرت کے تقاضوں پہ نہ کر راہ عمل بند
مقصود ہے کچھ اور ہی تسلیم و رضا کا

(ضربِ کلیم: تسلیم و رضا)

شاہیں: شاہیں اقبال کے نزدیک کسی برہنہ قوت کا استعارہ نہیں بلکہ اس پرندے میں، جیسا انہوں نے کہا ہے، وہ تمام صفات پائی جاتی ہیں جو استغنا، بے اعتنائی، علیحدگی اور اپنے خون کی آگ میں جلنے کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ شاہیں کا یہ علامتی پیکر مومن کی فقیرانہ شان کا غماز ہے۔ اس کی علامتی اہمیت کے متعلق ظفر صدیقی کے نام ایک خط میں خود لکھتے ہیں

"شاہیں کی تشبیہ محض شاعرانہ تشبیہ نہیں۔ اس جانور میں فقر کی تمام خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ (۱) خوددار اور غیرت مند ہے۔ اوروں کے ہاتھ کا مارا ہوا شکار نہیں کھاتا۔ (۲) بے تعلق ہے کہ آشیانہ نہیں بناتا۔ (۳) بلند پرواز ہے۔ (۴) خلوت پسند ہے (۵) تیز نگاہ ہے۔ (اقبال نامہ)

اب خودی، فقر، عشق، عمل اور شاہیں پر ان تمہیدی اشاروں کے بعد "محراب گل افغان کے افکار" کے ہر بند کا تجزیہ، قرآن اور حدیث کی روشنیوں میں آگے پیش ہے۔

پہلا بند

میرے کہستان! تجھے چھوڑ کر جاؤں کہاں
تیری چٹانوں میں ہے میرے اب و جد کی خاک!
بمروزِ ازل سے ہے تو منزلِ شاہین و چرخ
لالہ گل سے تہی، نغمۂ بلبل سے پاک!
تیرے خم و پیچ میں میری بہشت بریں
خاک تیری عنبریں! آب تیرا تابناک!
بازہ ہوگا کبھی بندۂ کیک و حمام
حفظِ بدن کے لئے روح کو کردوں ہلاک!
اے میرے فقرِ غیور، فیصلہ تیرا ہے کیا
خلعتِ انگریز یا پیرہنِ چاک چاک!

چونکہ اقبال نے ایک افغان کو اپنے افکار کے اظہار کا وسیلہ قرار دیا ہے اس لئے اس پہلے بند میں وہ افغانستان کے کوہستانوں اور اس کی چٹانوں سے اس کی فطری تعلق کا اظہار کرتے ہیں جو ہر شخص کو اپنے وطن سے ہوتی ہے۔ اس بند میں انگریزوں کی غلامی کی باتیں کہیں گئی ہیں اس لئے کہ ہندستان پر اپنا تسلط برقرار رکھنے کے لئے انگریزوں نے افغانستان سے تین جنگیں کیں۔ پہلی افغان جنگ (۱۸۴۲ء ۱۸۳۹ء) میں انگریزوں کو پسپا ہونا پڑا اور فوری طور پر وہ وہاں سے ہٹ گئے۔ مگر روس کے بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ کو ملحوظ خاطر رکھ کر انگریزوں نے ۱۸۷۸-۸۰ء میں دوسری افغان جنگ کی اور جب ۱۸۸۱ء میں عبدالرحمٰن بادشاہ ہوا تو اس نے وزارت خارجہ کا قلمدان انگریزوں کے حوالے کر دیا کیوں کہ انگریز ہندوستان پر اقتدار قائم رکھنے اور روس کو جنوب میں نہ بڑھنے دینے کے لئے اُتنا ہی کے خواہاں تھے۔ مگر عبدالرحمٰن کے۔

پوتے امان اللہ شاہ نے انگریزوں سے ۱۹۱۹ء میں تیسری افغان جنگ کر کے افغانستان کو انگریزوں کے تسلط سے پوری طرح آزاد کر لیا مگر امان اللہ شاہ کو انگریزوں نے تخت پر رہنے نہ دیا اور پھر در پردہ اپنی حکومت قائم رکھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان کی آزادی (۱۹۴۷ء) تک افغانستان کے متفرق قبیلے انگریزوں کے خلاف سالوں غیر اعلانیہ جنگ کرتے رہے جس کا سلسلہ ہندوستان کو آزادی ملنے کے ساتھ ختم ہو گیا۔ افغانیوں کی اسی حریت پسندی کی وجہ سے اقبالؔ نے اس بند میں "خلعت انگریز یا پیرہن چاک چاک" کہہ کر افغانیوں ہی کی نہیں بلکہ سارای دنیائے اسلام کو، جو اس وقت ان مغربی سامراجیوں کے ہاتھوں مقہور و مجبور تھی، ان کے جوش حریت اور شان فقر کو حفظ بدن کے لئے روح کو کر دوں ہلاک، کہہ کر للکارا اقبالؔ نے باز اور کبک و حمام کے فرق کو واضح کر کے مسلمانوں کو ان کی فطری صلاحیتوں اور فطرت کے تقاضوں کی یاد دلائی ہے اقبالؔ ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظر فردا کے قائل نہ تھے بلکہ اس کی تلقین کرتے تھے کہ۔

وہ کل کے غم و عیش پہ کچھ حق نہیں رکھتا
جو آج خود افروز و جگر سوز نہیں ہے!
وہ قوم نہیں لائق ہنگامۂ فردا
جس قوم کی تقدیر میں امروز نہیں ہے!

روح کو ہلاک کر کے بدن کی حفاظت کرنی خدا فراموشی کی وجہ بنکر خود فراموشی کے مترادف ہے۔ یہ نتیجہ ہے اپنی غلط حیثیت متعین کر بیٹھنے کا۔ انسان اس بنیادی غلط بینی کے باعث بجائے خدا کا بندہ بننے کے بہت سوں کی بندگی کرنے لگ جاتا ہے جس کا وہ فی الواقع بندہ نہیں ہے۔ اقبالؔ کے یہ افکار مبنی ہیں درج ذیل آیات پر :-

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ سے ڈرو اور ہر شخص یہ دیکھے کہ اس نے کل کے لئے کیا سامان کیا ہے۔ اللہ سے ڈرتے رہو۔ اللہ یقیناً تمہارے ان سب اعمال سے باخبر ہے جو تم کرتے ہو۔ ان کی طرح نہ ہو

جاؤ جو اللہ کو بھول گئے تو اللہ نے انھیں خود اپنا نفس بھلا دیا۔ یہی لوگ فاسق ہیں۔

(سورۃ الحشر ۵۹۔ رکوع ۳)

حفظ بدن کے لئے روح کو ہلاک کرنا ہی فسق ہے کیونکہ بقول اقبالؔ ایک مومن کی مسلمانی تو اس کی مقتضی ہے ؎

پسند روح دبدن کی وانمود اس کو
کہ ہے نہایتِ مومن خودی کی عریانی

(ضربِ کلیم: "فقر و راہبی")

اس بند کے آخری شعر میں "فقرِ غیور" سے مراد دین اسلام ہے۔ جب وہ مسلمانوں کے شانِ فقر کو للکارتے ہیں تو اس سے ان کی مراد اس کی دینی غیرت کو تازیانہ لگانا ہے کیوں کہ اقبال کے نزدیک اسلام ہی کا دوسرا نام "فقرِ غیور" ہے ؎

لفظ اسلام سے یورپ کو اگر کد ہے تو نہیں
دوسرا نام اسی دین کا ہے "فقرِ غیور"!

(ضربِ کلیم: "اسلام")

جس زمانے میں اقبالؔ نے پہلا بند لکھا تھا اسی زمانہ یعنی ۱۹۳۳ء میں جرمنی میں ہٹلر اور اٹلی میں مسولینی برسر اقتدار آکر مغربی سامراجیوں کو چیلنج کرتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ اس لئے اقبال کو فرنگیوں کا سحر ٹوٹتا نظر آیا اور انھوں نے مسلمانوں کو ایک دوسری نظم میں یہ ڈھارس بندھائی کہ ؎

اب ترا دور بھی آنے کو ہے اے فقرِ غیور
کھا گئی روح فرنگی کو ہوائے زر و سیم!

(ضربِ کلیم: "فقر و ملوکیت")

(دوسرا بند)

حقیقت ازلی ہے رقابت اقوام
نگاہ پیر فلک میں نہ میں عزیز نہ تو!
خودی میں ڈوب زمانے سے نا امید نہ ہو
کہ اس کا زخم ہے درپردہ اہتمام رفو!
رہے گا تو ہی جہاں میں یگانہ و یکتا
اتر گیا جو ترے دل میں لَا شَرِیْکَ لَہٗ

اس بند میں اقبالؔ نے رقابت اقوام کا ذکر کر کے مسلمانوں کو اس حقیقت سے آگاہ کیا ہے کہ یہ رقابت روزِ ازل سے انسان کی گھٹی میں پڑی ہے دنیا شطرنج کی ایک بساط ہے اس بساط پر دنیا کی با اقتدار قوموں نے مسلمانوں کو مہرہ بنا کر ان کے نفس پر قابو پا لیا ہے۔ اس لئے اس کا مداوا صرف اپنی خودی کی تربیت و تزئین کر کے ان طاغوتی طاقتوں کا مقابلہ کرنے میں مضمر ہے اور ایسی خودی جسے اقبالؔ نے توحید سے بھی موسوم کیا ہے اس طلسم رنگ و بو کو توڑ سکتی ہے

خودی سے اس طلسم رنگ و بو کو توڑ سکتے ہیں
یہی توحید تھی جس کو نہ تو سمجھا، نہ میں سمجھا

(بال جبریل: "غزل" ۱)

خودی اس وقت توحید بن جاتی ہے جب دل میں لاشریکَ لہٗ اتر جائے۔ اس بند کے پہلے شعر کے پہلے مصرعہ میں رقابتِ اقوام کو حقیقتِ ازلی قرار دے اقبال نے قرآن میں مذکور درج ذیل واقع کو ذہن نشین کرایا ہے جو روزِ ازل ہی رقابت اور حسد کی وجہ کر ظہور پذیر ہوا۔

"اور ذرا آدم کے دونوں بیٹوں کا قصہ بھی بے کم و کاست سنا دو جب ان دونوں نے قربانی کی تو ان میں سے ایک کی قربانی قبول کی گئی اور دوسرے کی نہ کی گئی اس (قابیل نے کہا: "میں تجھے مار ڈالوں گا۔" اس (ہابیل) نے جواب دیا: اللہ متقیوں کی نذریں قبول کرتا ہے اگر تو مجھے قتل کرنے کے لئے ہاتھ اٹھائے گا تو میں تجھے قتل کرنے کے لئے ہاتھ نہ اٹھاؤں گا۔ میں اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں میں چاہتا ہوں کہ میرا اور اپنا گناہ تو ہی سمیٹ لے اور دوزخی بن کر رہے ظالموں کے ظلم کا یہی ٹھیک بدلہ ہے۔ آخر کار اس کے نفس نے اپنے بھائی (ہابیل) کا قتل اس کے لئے آسان کر دیا اور وہ اسے مار کر ان لوگوں میں شامل ہو گیا جو نقصان اٹھاتے ہیں۔ (سورۃ المآئدۃ ۵۔ رکوع)

اِس شعر کے دوسرے مصرعہ میں اقبالؔ نے مسلمانوں کو بتایا ہے۔ کہ پیر فلک کی نظر میں دنیا کی کوئی قوم عزیز نہیں اس لئے کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:۔

"جو کوئی عزت چاہتا ہے اسے معلوم ہونا چاہیئے کہ عزت ساری کی ساری اللہ کی ہے۔ اس کے یہاں جو چیز اوپر چڑھتی ہے وہ صرف پاکیزہ قول ہے اور عمل صالح اس کو اوپر چڑھاتا ہے۔

(سورۃ فاطر ۳۵۔ رکوع ۲)

"کہو" خدایا ملک کے مالک تو جسے چاہے حکومت دے۔ جس سے چاہے چھین لے۔ جسے چاہے عزت بخشے، جس کو چاہے ذلت دے بھلائی تیرے اختیار میں تھے۔ بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے۔

(سورۃ آل عمران ۳۔ رکوع ۳)

"ہم جسے چاہتے ہیں بلند مرتبے عطا کرتے ہیں۔

(سورۃ الانعام ۶۔ رکوع ۲)

"اے نبی" ان سے کہو کہ: "فضل و شرف اللہ کے اختیار میں ہے جسے چاہے عطا فرمائے۔ وہ وسیع النظر ہے سب کچھ جانتا ہے اپنی رحمت کے لئے جس کو چاہتا ہے مخصوص کر لیتا ہے اور اس کا فضل بہت بڑا ہے۔"

(سورۃ آل عمران ۳۔ رکوع ۸)

"حق یہ ہے کہ جو بھی اپنی ہستی کو اللہ کی اطاعت میں سونپ دے اور عملاً نیک روش پر چلے اس کے لئے اس کے رب کے پاس اس کا اجر ہے۔ (سورۃ البقرہ ۲۔ رکوع ۱۳)

اس بند کے دوسرے شعر میں خودی میں ڈوبنے سے مراد اس کی تربیت ہے اقبالؔ نے اپنے اردو کلام میں بار بار خودی میں ڈوبنے یعنی اسے "نفس مطمئنہ" بنائے جانے کی

تلقین کی ہے۔

عشق بُتاں سے ہاتھ اٹھا، اپنی خودی میں ڈوب جا
نقش و نگارِ دیر میں، خونِ جگر نہ کر تلف

(بالِ جبریل: "غزل ۲۶)

خودی میں ڈوبتے ہیں پھر ابھر بھی آتے ہیں مگر یہ حوصلہ مردِ بسیج کارہ نہیں

(بالِ جبریل: "غزل ۳۱)

جب خودی زمانے کی ٹھوکریں کھا کر اپنے مرتبۂ کمال کو پہنچ جاتی ہے یا یوں کہا جائے کہ وہ "نفسِ مطمئنہ" بن جاتی ہے تو بندۂ خدا ہو جاتی ہے۔ جہاں اسے زمانہ سے گلہ نہیں رہتا اور وہ زمانے کا مقابلہ جرأت رندانہ سے کرتا ہے۔ اس شعر میں خودی حق کی ترجمان ہے اور زمانہ باطل کا۔ اقبال نے دوسری جگہ ایسے ہی خیال کا اعادہ کیا ہے ؎

یہ بندگی خدائی، وہ بندگی گدائی
یا بندۂ خدا بن، یا بندۂ زمانہ

("بالِ جبریل: غزل۔۳۲)

گردشِ زمانہ کے تحت زوالِ نعمت و جاہ اقبال کے نزدیک، خودی کی موت کی وجہ بھی ہے ؎

نہ ہے ستارے کی گردش، نہ بازیِ افلاک
خودی کی موت ہے تیرا زوالِ نعمت و جاہ

(بالِ جبریل: "غزل ۲۳)

اس شعر کے دوسرے مصرعہ میں اقبال تلقین کرتے ہیں کہ خودی میں ڈوبنے اور اس سے ابھر کر مرتبۂ کمال کو پہنچانے کے بعد بھی اگر زمانہ کا زخم ایک مردِ مومن کو لگتا ہے تو درپردہ اس میں اہتمام رفو بھی مضمر رہتا ہے۔ اقبال نے بہت سی قرآنی آیات کی ترجمانی اس شعر میں۔ خصوصاً اس شعر کے دوسرے مصرعہ میں۔ کی ہے جس میں چند آیات درج

ذیل ہیں :۔

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اگر تم خدا ترسی اختیار کرو گے تو اللہ تمہارے لئے کسوٹی بہم پہنچا دے گا۔ اور تمہاری برائیوں کو تم سے دور کر دے گا۔ اور تمہارے قصور معاف کرے گا۔ اللہ بڑا فضل فرمانے والا ہے

(سورۃ الانفال ۸۔ رکوع ۴)

"(اے نبی) تمہارے رب نے تم کو ہرگز نہیں چھوڑا اور نہ وہ ناراض ہوا اور یقیناً تمہارے لئے بعد کا دور پہلے دور سے بہتر ہے اور عنقریب تمہارا رب تم کو اتنا دے گا کہ تم خوش ہو جاؤ گے کیا اس نے تم کو یتیم نہیں پایا اور پھر ٹھکانا فراہم کیا؟ تمہیں ناواقف راہ پایا اور پھر ہدایت بخشی۔ اور تمہیں نادار پایا اور پھر مالدار کیا۔"

(سورۃ الضحیٰ ۹۳۔ رکوع ۱)

"یاد کرو وہ وقت جب کی تم تھوڑے تھے۔ زمین میں تم کو بے زور سمجھا جاتا تھا۔ تم ڈرتے تھے کہ لوگ کہیں تمہیں مٹا نہ دیں۔ پھر اللہ نے تم کو جائے پناہ مہیا کر دی۔ اپنی مدد سے تمہارے ہاتھ مضبوط کئے اور تمہیں اچھا رزق پہنچایا شاید کہ تم شکر گذار بنو"۔

(سورۃ الانفال ۸۔ رکوع ۳)

"تمہارے رب نے رحم و کرم کا شیوہ اپنے اوپر لازم کر لیا ہے۔ یہ اس کا رحم و کرم ہی ہے کہ اگر تم میں سے کوئی نادانی کے ساتھ کسی برائی کا ارتکاب کر بیٹھا ہو پھر اس کے بعد توبہ کرے اور اصلاح کرے تو وہ اسے معاف کر دیتا ہے اور نرمی سے کام لیتا ہے"۔

(سورۃ الانعام ۶۔ رکوع ۶)

اس بند کے تیسرے شعر میں اقبال نے "دل میں اترنا" یقین کامل کے معنی میں استعمال کیا ہے

مسلمان اور مومن کا فرق ایمان کا دل میں نہ اترے یا اترنے ہی پر منحصر ہے۔ قرآن شاہد ہے کہ :۔

"یہ بدوی کہتے ہیں کہ : "ہم ایمان لائے"۔ ان سے کہو : تم ایمان نہیں لائے
"بلکہ یوں کہو کہ : "ہم مطیع ہو گئے" ایمان ابھی تمہارے دلوں میں داخل
نہیں ہوا ہے (وَلٰكِنْ قُولُوٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ)

(سورۃ الحجرات ۴۹۔ رکوع ۲)

انھیں آیات کی ترجمانی اقبال نے دوسری جگہوں پر اس طرح کیا ہے :۔

خرد نے کہہ بھی دیا لا الٰہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

ضرب کلیم : "تصوف")

تو عرب ہو یا عجم ہو ترا لا الٰہ الا
لغتِ غریب جب تک ترا دل نہ دے گواہی

(بال جبریل "غزل ۲۲)

دل میں لا شریک لہٗ کے اترنے کی بہترین مثال حضرت ابراہیم کے ایمان لانے کی ہے جب انھوں نے دل و نگاہ کو مسلمان بنا لیا تو وہ یقین کرنے والوں میں ہو گئے :۔

ابراہیم کو ہم اسی طرح زمین اور آسمانوں کا نظام سلطنت دکھاتے
تھے اور اس لئے دکھاتے تھے کہ وہ یقین کرنے والوں میں ہو جائے"۔

(سورۃ الانعام ۶۔ رکوع ۹)

"شرک" کا مطلب، غیر مسلموں کی طرح، صرف بتوں کے آگے سر جھکانا نہیں۔ شرک قرآن کے رو سے کہتے ہیں خدا کی ذات اس کی صفات اور اس کے احکام میں کسی دوسرے کو شریک کرنے کو۔ حاجت روا سمجھنے کو خواہ وہ انسان ہو یا مال و دولت یا رشتہ و پیوند انہی معنوں میں خدا کے یہاں صرف "شرک" کی بخشائش نہیں۔ فرمایا :۔

اللہ کے یہاں بس شرک ہی کی بخشش نہیں ہے۔ اس کے سوا اور سب کچھ

معاف ہو سکتا ہے جسے وہ معاف کرنا چاہئے۔ جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا وہ گمراہی میں بہت دور نکل گیا۔"

(سورۃ النساء ۴ رکوع ۱۸)

ایمان کے دل میں اترنے سے مراد ہے کہ :-

"اے نبیؐ، کہو :" میری نماز، میرے تمام مراسم عبودیت، میرا جینا اور میرا مرنا سب کچھ اللہ رب العالمین کے لئے ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ اس کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور سب سے پہلے سر اطاعت جھکانے والا میں ہوں

(سورۃ الانعام ۶۔ رکوع ۲۰)

"ان سے پوچھو" کیا واقعی تم لوگ یہ شہادت دے سکتے ہو کہ اللہ کیساتھ دوسرے خدا بھی ہیں؟" کہو" میں اس کی شہادت ہرگز نہیں دے سکتا۔"

کہو" خدا تو وہی ایک ہے ..... جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس بات کو اس طرح غیر متشبہ طور پر پہچانتے ہیں جیسے ان کو اپنے بیٹوں کے پہچاننے میں کوئی اشتباہ پیش نہیں آتا۔

(سورۃ الانعام ۶۔ رکوع ۲)

"کہو" اللہ تمہیں اس (مصیبت) اور ہر تکلیف سے نجات دیتا ہے پھر تم دوسروں کو اس کا شریک ٹھہراتے ہو"۔

(سورۃ الانعام ۶۔ رکوع ۸)

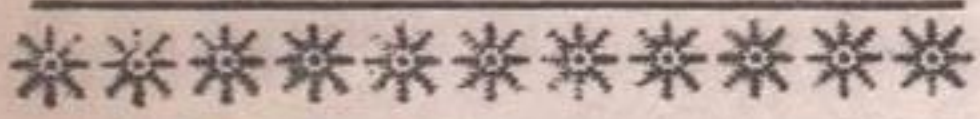

تیسرا بند

تری دعا سے قضا تو بدل نہیں سکتی

مگر ہے اس سے یہ ممکن کہ تو بدل جائے

تری خودی میں اگر انقلاب ہو پیدا

عجب نہیں ہے کہ یہ چار سو بدل جائے

وہی شراب وہی ہائے و ہو رہے باقی

طریق ساقی و رسمِ کدو بدل جائے

تری دعا ہے کہ ہو تیری آرزو پوری

مری دعا ہے تری آرزو بدل جائے

اقبالؔ نے اس بند میں دعائے خصائل کی اہمیت ذہن نشین کرانے کے ساتھ قضا اور قدر اور جبر و اختیار کے نکتوں پر، قرآن کے نقطۂ نگاہ سے روشنی ڈالی ہے۔ ان کے خیال میں انسانی وجود اپنی کلّی تقدیر کو اسی وقت حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکتا ہے — جب وہ نفس و آفاق کے تقاضوں میں امتزاج پیدا کرے۔ انسان کی تقدیر میں یہی نشاۃِ ثانیہ ہے جہاں تاریخ کی حرکت ابدیّت کی طرف مائل ہوتی ہے۔ اسی بند میں زندگی، وقت اور خودی سب ایک نظر آتی ہے۔ زندگی کی گوناگوں مسرتوں کے لئے انسانی خودی کائنات کے ارتقائی عمل کا نصب العین یا اس کی منزل ہے۔ اس خودی کے مسلسل اظہار میں خود کائنات کا مفہوم پنہاں ہے اقبال کے نزدیک انسانی شخصیت کائنات کی تقدیر ہے اور کائناتی ارتقا جبر سے آزادی کی جانب ایک پُر معنیٰ سفر۔ اس بند کے پہلے شعر کا پہلا مصرعہ درج ذیل آیات کا ترجمان ہے:۔

"اللہ نے ہر چیز کے لئے ایک تقدیر مقرر کر رکھی ہے"۔

(سورۃ الطلاق ۶۵۔ رکوع ۱)

"وہ جو زمین و آسمانوں کی بادشاہی کا مالک ہے ..... جس نے ہر چیز کو پیدا کیا، پھر اس کی ایک تقدیر مقرر کی"۔

(سورۃ الفرقان ۲۵۔ رکوع ۱)

"ہم نے ہر چیز ایک تقدیر کے ساتھ پیدا کی ہے"۔

(سورۃ القمر ۵۴۔ رکوع ۳)

"لعنت ہو انسان پر، کیسا سخت منکرِ حق ہے۔ کس چیز سے اللہ نے اسے پیدا کیا ہے؟ نطفہ کی ایک بوند سے اللہ نے اسے پیدا کیا، پھر اسے موت دی اور قبر میں پہنچایا۔ پھر جب چاہے اسے وہ دوبارہ اٹھا کر کھڑا کر دے"۔

(سورۃ عبس ۸۰۔ رکوع ۱)

اس بند کے دوسرے شعر میں اقبال اس انقلاب کے متمنی ہیں جو باہر کے نظام کیساتھ اندر سے انسانی قلب و ذہن کو بدل کر نیا کردار پیدا کر دے تاکہ وہ حقیقی اور بنیادی مسائل حیات کو حل کرنے میں کامیاب ہو سکے اور اس کے ذریعہ وقت کے تمدنی بحران میں راہ نجات تلاش کر سکے۔ اسی روحانی انقلاب کو اقبال نے دوسری جگہ "طلبِ صادق" قرار دیا ہے جو خودی کے لئے انقلاب کا محرک اور کامیابی کا ضامن ہے ؎

وہ آتش آج بھی تیرا نشیمن پھونک سکتی ہے
طلب صادق نہ ہو تیری تو کیا شکوہ ساقی

(بال جبریل: غزل ۳۶)

اس بند کے تیسرے شعر میں اقبال نے خودی میں انقلاب لانے والوں اور طلبِ صادق میں راہ مستقیم کی ڈگر پر چلنے والوں کے متعلق درج ذیل آیات کی یاد دلائی ہے

"اور اے نبی، کہو: "مجھ پر وحی کی گئی ہے کہ لوگ اگر راہ راست پر —
ثابت قدمی سے چلتے تو ہم انہیں خوب سیراب کراتے تاکہ اس نعمت
سے ان کی آزمائش کریں"۔

(سورۃ الجن ۷۲، رکوع ۱)

اس بند کے چوتھے شعر میں اقبال کا مطلب یہ ہے کہ عشق بذاتِ خود کوئی چیز نہیں جب تک کہ آرزو اس کی متحرک نہ ہو۔ عشق کی بقا آرزو کی بقا سے وابستہ ہے عشق کا سوز اس وقت تک قائم رہتا ہے۔ جب تک آرزو سینے کے اندر زندہ ہے۔ اقبال کے نزدیک زندگی ناامیدی اور قنوطیت سے عبارت نہیں بلکہ وہ ایمان و قرآن کی روشنیوں میں رجائیت اور آرزو ہی کو زندگی کا صحیح فروغ سمجھتے ہیں دنیا آرزو کے فیض سے معمور رہتی ہے۔ اس کا ہر ذرہ اسی کے فعل سے متحرک دکھائی دیتا ہے۔

مسلم استی سینہ را از آرزو آباد دار

مگر آرزو کے لئے انقلاب اور طلب صادق ضروری ہے۔ "اسرار خودی" میں

اقبالؔ فرماتے ہیں:۔

زندگی در جستجو پوشیدہ است — اصل او در آرزو پوشیدہ است
آرزو را در دلِ خود زندہ دار — تا نگردد مُشتِ خاکِ تو مزار
آرزو جانِ جہانِ رنگ و بوست — فطرتِ ہر شے امینِ آرزوست
آرزو ہنگامہ آرائے خودی — موجِ بیتابے ز دریائے خودی
آرزو صیدِ مقاصد را کمند — دفترِ اقبالؔ را شیرازہ بند

ساز تخلیقِ مقاصد زندہ ایم
از شعاعِ آرزو تابندہ ایم

دوسری جگہ فرماتے ہیں :۔

زندگی مضمونِ تسخیر است و بس — آرزو افسونِ تسخیر است و بس
زندگی صیدِ انگن دد دام آرزو — حسن را از عشق پیغامِ آرزو

آرزو پر اقبالؔ کا یہ شعر بھی خالی از دلچسپی نہ ہوگا ؎

طبیبِ عشق نے دیکھا سبھے تو فرمایا
ترا مرض ہے فقط آرزو کی بے تابی

("بالِ جبریل" : غزل ۶)

(چوتھا بند)

کیا چرخِ کجرو، کیا مہر، کیا ماہ
سب راہ رو ہیں واماندۂ راہ!
کڑکا سکندر بجلی کی مانند
تجھ کو خبر ہے اے مرگِ ناگاہ!
نادر نے لوٹی دلّی کی دولت
اک ضربِ شمشیر افسانہ کوتاہ!
افغان باقی! کہسار باقی
اَلحُکمُ للّٰہ اَلمُلکُ لِلّٰہ!
حاجت سے مجبور مردانِ آزاد
کرتی ہے حاجت شیروں کو روباہ!
محرم خودی سے جس دم ہوا فقر
تو بھی شہنشاہ! میں بھی شہنشاہ!
قوموں کی تقدیر وہ مردِ درویش
جس نے نہ ڈھونڈی سلطان کی درگاہ

میں وہ اقتدار بخشا تھا جو تمہیں نہیں بخشا ہے۔ ان پر ہم نے آسمان سے خوب بارشیں برسائیں اور ان کے نیچے نہریں بہا دیں (مگر جب انھوں نے کفران نعمت کیا تو) آخر کار ہم نے ان کے گناہوں کی پاداش میں تباہ کر دیا اور ان کی جگہ دوسرے دور کی قوموں کو اٹھایا۔"

(سورۃ الانعام ۶۔ رکوع ۱)

"تم لوگوں کے رنگ ڈھنگ وہی ہیں جو تمہارے پیش رؤوں کے تھے وہ تم سے زیادہ زور آور اور تم سے بڑھ کر مال اور اولاد والے تھے پھر انہوں نے دنیا میں اپنے حصے کے مزے لوٹ لئے اور تم نے بھی اپنے حصّے کے مزے اسی طرح لوٹے جیسے انھوں نے لوٹے تھے ویسی ہی بحثوں میں تم بھی پڑے جیسی بحثوں میں وہ پڑے تھے۔ سو ان کا انجام یہ ہوا کہ دنیا اور آخرت میں ان کا سب کیا دھرا ضائع ہو گیا اور وہی خسارے میں ہیں۔

(سورۃ التوبہ ۹۔ رکوع ۹)

انہی آیات کی ترجمانی اقبال کے شعر میں بھی ملتی ہے ؎

عارضی ہے شان حاضر سطوت غائبِ مدام
اِس صداقت کو محبت سے ہے ربط جان و تن

(بانگ درا: کفر و اسلام")

اس بند کے چوتھے شعر میں اقبال نے دنیا کو خدا کی ملکیت اور اس پر اس کی حکومت کے نکتوں کو ذہن نشیں کرایا ہے کیوں کہ انسان جب کبھی برسر اقتدار آتا ہے تو اس ملک کو اپنی ملکیت اور اس پر، بجائے حکم الٰہی نافذ کرنے کے حق سے روگردانی کر کے اپنے قوانین نافذ کرنے لگتا ہے۔ اس قرانی تصور پر چند آیات درج ذیل ہیں:۔

"خبردار رہو، اسی کی خلق ہے اور اسی کا امر ہے

(سورۃ الاعراف ۷۔ رکوع ۷)

"وہ بادشاہ ہے نہایت مقدس، سراسر سلامتی، امن دینے والا، نگہبان سب پر غالب، اپنا حکم بہ زور نافذ کرنے والا اور بڑا ہی ہو کر رہنے والا"۔ (سورۃ الحشر ۵۹۔ رکوع ۳)

اس کی حکومت آسمانوں اور زمین پر چھائی ہوئی ہے اور ان کی نگہبانی اس کے لئے کوئی تھکا دینے والا کام نہیں۔ بس وہی ایک بزرگ و برتر ذات ہے۔

(سورۃ البقرہ ۲ رکوع ۳۴)

"زمین اور آسمانوں کی ساری چیزوں کا مالک اللہ ہے اور سارے معاملات اللہ ہی کے حضور میں پیش ہوتے ہیں۔

(سورۃ آل عمران ۳۔ رکوع ۱۱)

زمین و آسمان کی ساری چیزیں اس (اللہ) کی ملک ہیں اور انکی کفالت و خبر گیری کے لئے بس وہی کافی ہے"۔

(سورۃ النساء ۴۔ رکوع ۲۳)

"اللہ حکومت کر رہا ہے۔ کوئی اس کے فیصلوں پر نظر ثانی کرنے والا نہیں ہے۔ (سورۃ الرعد ۱۳۔ رکوع ۶)

زمین اور آسمانوں کی سلطنت کا مالک وہی (اللہ) ہے

(سورۃ الحدید ۵۷۔ رکوع ۶)

کیا تمہیں خبر نہیں کہ زمین آسمانوں کی فرمانروائی اللہ ہی کے لئے ہے۔

(سورۃ البقرہ ۲۔ رکوع ۱۳)

اللہ کو اختیار ہے کہ اپنا ملک جسے چاہے دے۔"

(سورۃ البقرہ ۲۔رکوع ۳۲)

"زمین اور آسمانوں اور تمام موجودات کی بادشاہی اللہ ہی کے لئے ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔"

(سورۃ المآئدۃ ۵۔رکوع ۱۶)

"آسمانوں اور زمین کی بادشاہی کا وہی مالک ہے۔"

(سورۃ الزمر ۳۹ رکوع ۵)

آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ کا ہے۔"

(سورۃ البقرہ ۲۵۔رکوع ۳۹)

زمین اور آسمانوں کی میراث اللہ ہی کے لئے ہے۔"

(سورۃ آلِ عمران ۳ رکوع ۱۸)

رات کے اندھیرے اور دن کے اجالے میں جو کچھ ٹھہرا ہوا ہے سب اللہ کا ہے۔ (سورۃ الانعام ۶۔رکوع ۲)

زمین اور آسمانوں میں جو مخلوق بھی ہے اللہ کی ہے۔

سورۃ الانبیاء ۲۱۔رکوع

اس بند کے پانچویں شعر میں اقبال نے انسان کی اپنی نفسانی خواہشات یعنی "نفس لواحہ" سے مجبور رہ کر غلط راستہ اختیار کرنے کی باتیں ہیں اور جب انسان اپنے نفس کا غلام ہو جاتا ہے تو وہ ہر طرح کی غلامی پر رضامند ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید میں نفس انسانی کی تین قسموں کا ذکر گیا ہے۔ ایک وہ نفس جو انسان کو برائیوں پر اکساتا ہے جسے "نفس امارہ" کہا گیا ہے۔ دوسرا وہ نفس جو غلط کام کرنے، غلط بولنے یا بری نیت رکھنے پر نادم ہوتا ہے اور انسان کو ان پر ملامت کرتا ہے۔ اسے "نفس لوامہ" کہا گیا ہے اور اسی کو آج کل کی اصطلاح میں ضمیر کہتے ہیں۔ تیسرا وہ نفس جو صحیح راہ پر چلنے اور غلط راہ کو چھوڑ دینے میں اطمینان

محسوس کرتا ہے اسے "نفس مطمئنہ" کہا گیا ہے۔ اس شعر میں اقبالؔ نے نفس لوّامہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ جس کے متعلق ارشاد ہے:

نہیں، میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی اور نہیں، میں قسم کھاتا ہوں
ملامت کرنے والے نفس کی (وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ) .....
مگر انسان چاہتا یہ ہے کہ آگے بھی بداعمالیاں کرتا رہے۔

(سورۃ القیٰمۃ ۷۵، رکوع ۱)

اس بند کے آخری دو اشعار میں اقبالؔ نے "نفس مطمئنہ" کی طرف اشارہ کیا ہے جسے قرآن میں "شرح صدر" بھی کہا گیا ہے۔

"پس (یہ حقیقت کہ) جسے اللہ ہدایت بخشنے کا ارادہ کرتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے (فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ) ۔

(سورۃ الانعام ۶۔ رکوع ۵)

ان دو اشعار میں فقر اور خودی کے باہمی امتزاج سے اقبالؔ نے جس شان استغنا کا ذکر کیا ہے وہ محمول ہے درج ذیل آیات پر:۔

"جو کچھ بھی پاکیزگی اختیار کرتا ہے اپنی ہی بھلائی کے لئے کرتا ہے اور پلٹنا سب کو اللہ ہی کی طرف ہے۔"

(سورۃ فاطر ۳۵۔ رکوع ۳)

سنو! جو اللہ کے دوست ہیں، جو ایمان لائے اور جنھوں نے تقویٰ کا رویہ اختیار کیا ان کے لئے کسی خوف و رنج کا موقع نہیں ہے۔ دنیا و آخرت دونوں زندگیوں میں ان کے لئے بشارت ہی بشارت ہے اللہ کی باتیں بدل نہیں سکتیں۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔

(سورۃ یونس ۱۰۔ رکوع ۷)

"درحقیقت تم لوگوں کے لئے اللہ کے رسول میں ایک بہترین نمونہ تھا ہر اس شخص کے لئے جو اللہ اور یوم آخر کا امیدوار ہو اور کثرت سے اللہ کو یاد کرے۔"

(سورۃ الاحزاب ۳۳۔ رکوع ۳)

"حقیقت میں تو جو لوگ اپنے رب کے خوف سے ڈرنے والے ہوتے ہیں، جو اپنے رب کی آیات پر ایمان لاتے ہیں، جو اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے اور جن کا حال یہ ہے کہ دیتے ہیں جو کچھ بھی دیتے ہیں اور دل ان کا اِس خیال سے کانپتے رہتے ہیں کہ ہمیں اپنے رب کی طرف پلٹنا ہے۔ وہی بھلائیوں کی طرف دوڑنے والے اور سبقت کر کے انھیں پا لینے والے ہیں

(سورۃ المؤمنون ۲۳۔ رکوع ۴)

یہ شانِ استغنا جو خودی اور فقر کے شیر و شکر ہونے سے وجود میں آتی ہے اس کے فتوحات میں جنت کی بشارت اور دنیا میں کامرانی دونوں شامل ہیں اِس امتزاج پر اقبال نے دوسری جگہ فرمایا ہے ؎

کافر ہے مسلمان تو نہ شاہی نہ فقیری
مومن ہے تو کرتا ہے فقیری میں بھی شاہی

("بالِ جبریل"۔ غزل ۲)

پانچواں بند

یہ مدرسہ یہ کھیل یہ غوغائے رواروِ
اس عیشِ فراواں میں ہے ہر لحظ غم نو!

وہ علم نہیں زہر ہے احرار کے حق میں
جس علم کا حاصل ہے جہاں میں دو کفِ جَو!

ناداں! ادب و فلسفہ کچھ چیز نہیں ہے
اسبابِ ہنر کے لئے لازم ہے تگ و دو

فطرت کے نوامیس پہ غالب ہے ہنرمند
شام اس کی ہے مانندِ سحر صاحبِ پرتو!

وہ صاحبِ فن چاہے تو فن کی برکت سے
ٹپکے بدنِ مہر سے شبنم کی طرح ضَو!

اس بند میں اقبال نے مسلمانوں کو مغربی تعلیم اور اس کی فسوں کاریوں اور اس کے مضر اثرات سے آگاہ کرتے ہوئے قرآنی علم حاصل کرنے اور خدا کے متعین کئے ہوئے شاہراہوں پر گامزن ہونے کی تلقین کی ہے پہلے دو اشعار اقبال نے جن قرآنی تصورات کی ترجمانی کی ہے ان میں چند آیات درج ذیل ہیں :۔

"تم لوگوں کو زیادہ سے زیادہ اور ایک دوسرے سے بڑھ کر دنیا حاصل کرنے کے دھن نے غفلت میں ڈال رکھا ہے یہاں تک کہ اس فکر میں تم لب گور تک پہنچ جاتے ہو ..... اگر تم یقینی علم کی حیثیت سے (اس روش کے انجام کو) جانتے ہوتے تو تمہارا یہ طرز عمل نہ ہوتا۔ تم دوزخ دیکھ کر رہو گے۔

(سورۃ التکاثر ۱۰۲۔ رکوع ۱)

ہم ان لوگوں کے پاس ایک ایسی کتاب لے آئے ہیں جس کو ہم نے علم کی بنا پر مفصل بنایا ہے اور جو ایمان لانے والوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے۔ اب کیا یہ لوگ اس کے سوا کسی اور بات کے منتظر ہیں کہ وہ انجام سامنے آجائے جس کی یہ کتاب خبر دے رہی ہے۔

(سورۃ الاعراف ۷۔ رکوع ۶)

"پس اے نبیؐ، جو شخص ہمارے ذکر سے منہ پھیرتا ہے اور دنیا کی زندگی کے سوا جسے کچھ مطلوب نہیں ہے اسے اس کے حال پر چھوڑ دو ان لوگوں کا مبلغ علم بس یہی کچھ اور ہے۔"

(سورۃ النجم ۵۳۔ رکوع ۲)

"بعض لوگ ایسے ہیں جو علم کے بغیر اللہ کے بارے میں بحثیں کرتے ہیں اور ہر شیطان سرکش کی پیروی کرنے لگتے ہیں۔ حالانکہ اس کے تو نصیب ہی میں یہ لکھا ہے کہ جو اس کو دوست بنائے گا اسے وہ

گمراہ کر کے چھوڑے گا اور عذاب جہنم کا راستہ دکھائے گا۔"

(سورۃ الحج ۲۲۔ رکوع ۱)

"بعض اور لوگ ایسے ہیں جو کسی علم اور ہدایت اور روشنی بخشنے والی کتاب کے بغیر، گمردن اکڑائے ہوئے، خدا کے بارے میں جھگڑتے ہیں تاکہ لوگوں کو راہ خدا سے بھٹکا دیں۔"

(سورۃ الحج ۲۲۔ رکوع ۱)

اقبال نے اِن دو اشعار میں جس علمِ جدید کی جو سراسر مادّیت پر مبنی ہے مذمّت کی ہے، اُس کے اثرات کی مزید وضاحت "بانگ درا" کی نظم "مسلمان اور تعلیم جدید" کے اس شعر میں ملتی ہے ؎

وہ شعلہ روشن ترا ظلمت گریزاں جس سے تھی
گھٹ کر ہوا مثل شرر تارے سے بھی کم نور تر

علم اقبالؔ کے یہاں نام ہے ایمانِ ابراہیمیؑ، تجلیاتِ کلیمیؑ اور مشاہداتِ حکیمی کے امتزاج کا ؎

وہ علم اپنے بتوں کا ہے آپ ابراہیم — کیا ہے جسکو خدا نے دل و نظر کا ندیم
وہ علم کم بصری جس میں ہمکنار نہیں — تجلیاتِ کلیم و مشاہدات حکیم!

(ضرب کلیم: "علم اور دین")

اِس "عیشِ فراواں" اور "دو کفِ جَو" پر اقبال نے دوسری جگہ کہا ہے ؎

اگرچہ ہے دل کُشا بہت حسن فرنگ کی بہار
طائرِ بلند بال، دانا و دام سے گزر

(بال جبریل": غزل ۵)

خودی کے نگہباں کو ہے زہر ناب — وہ نان جس سے جاتی رہے اسکی آب
وہی نان ہے اس کے لئے ارجمند — رہے جس سے دنیا میں گردن بلند

فرد فال محمود سے در گذر
خودی کو نگہ کر، ایازی نہ کر

(بال جبریل: "ساقی نامہ")

اس بند کے تیسرے شعر میں اقبال کی مراد یہ ہے کہ فلسفہ کا دائرہ فکر کا دائرہ ہے فلسفی کو عملی زندگی اور تاریخ کے مد و جزر سے براہ راست واسطہ نہیں ہوتا۔ وہ واقعات اور احوال سے نتائج تو نکال لیتا ہے لیکن ان کا رخ بدلنے کے لئے کسی عملی جد و جہد میں حصہ لینے میں اس کی کوئی دلچسپی نہیں مگر مذہب اس سے آگے بڑھتا ہے اور تگ و دو یعنی جہد پیہم کی تلقین کرتا ہے۔ اقبال کے یہ تصورات درج ذیل آیات پر مبنی ہے:

"جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے اللہ کی راہ میں گھر بار چھوڑے اور جد و جہد کی اور جنھوں نے پناہ دی اور مدد کی وہی سچے مومن ہیں۔"

(سورۃ انفال ۸ رکوع ۱۰)

"وہی تو ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو تابع کر رکھا ہے۔ چلو اس کی چھاتی پر اور کھاؤ خدا کا رزق۔ اس کے حضور تمہیں دوبارہ زندہ ہو کر جانا ہے۔"

(سورۃ الملک، ۶۔ رکوع ۲)

"رسول نے اور ان لوگوں نے، جو رسول کے ساتھ ایمان لائے تھے اپنی جان و مال سے جہاد کیا اور اب ساری بھلائیاں انہیں کے لئے ہیں اور وہی فلاح پانے والے ہیں۔"

(سورۃ التوبہ ۹۔ رکوع ۱۱)

"نکلو خواہ ہلکے ہو یا بوجھل اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔ اگر تم جانو۔"

(سورۃ التوبہ ۹۔ رکوع ۶)

اقبال نے اسی جہد پیہم پر دوسری جگہ یہ اظہار خیال کیا ہے ۔

تو اسے پیمانۂ امروز و فردا سے نہ ناپ
جاوداں، پیہم دواں، ہر دم جواں ہے زندگی

(بانگِ درا: "فقر راہ ۔ زندگی")

اس بند کے چوتھے شعر میں اقبال نے یہ ذہن نشین کرایا ہے کہ انسان اپنی ہنرمندی سے فطرت کے نوامیس پر بھی غالب آکر اپنی شام کو مانندِ سحر "صاحب پرتو" بنا دیتا ہے۔ ایسے ہی خیالات اقبال کے درج ذیل اشعار میں بھی ملتے ہیں :۔

فطرت کو خرد کے روبرو کر — تسخیر مقامِ رنگ و بو کر
بے ذوق نہیں اگرچہ فطرت — جو اس سے نہ ہو سکا وہ تو کر!

(بالِ جبریل: "غزل ۳۷)

فطرت کا سرودِ ازلی اس کے شب و روز
آہنگ میں یکتا صفت سورۂ رحمٰن

(ضرب کلیم: "مرد مسلماں")

اقبال کی مراد اس بند کے اس شعر سے یہ ہے کہ ؎

وہی زمانے کی گردش پہ غالب آتا ہے
جو ہر نفس سے کرے عمرِ جاوداں پیدا

(ضرب کلیم: "تخلیق")

اس بند کے پانچویں اور آخری شعر میں اقبال نے اسی تگ و دو اور جہد پیہم کے ذریعے اپنی دنیا آپ پیدا کرنے کی تلقین کی ہے۔ وہ اس کے قائل تھے کہ ؎

اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے
سرِّ آدم ہے ضمیر کن فکاں ہے زندگی

(بانگِ درا: "فقر راہ ۔ زندگی)

انہی خیالات کا اعادہ اقبال نے اس شعر میں بھی کیا ہے ؎

چمن میں تربیتِ غنچہ ہو نہیں سکتی
نہیں ہے قطرۂ شبنم، اگر شریکِ نسیم

(ضربِ کلیم: "علم اور دین")

چھٹا بند

جو عالمِ ایجاد میں ہے صاحبِ ایجاد
ہر دور میں کرتا ہے طواف اس کا زمانہ
تقلید سے ناکارہ نہ کر اپنی خودی کو
کر اس کی حفاظت کہ یہ گوہر ہے یگانہ
اس قوم کو تجدید کا پیغام مبارک
ہے جس کے تصوّر میں فقط بزمِ شبانہ!
لیکن مجھے ڈر ہے کہ یہ آوازۂ تجدید
مشرق میں ہے تقلیدِ فرنگی کا بہانا!

73499

اس بند میں اقبال نے یہ اظہار خیال کیا ہے کہ دنیا صرف انہی لوگوں کے گرد چکر لگاتی ہے جو اپنے اندر تخلیقی قوت ایجاد رکھتے ہیں اگرچہ اس کا اِس طرح پر گھومنا یا چکر لگانا ہمیں نہ بھی نظر آتا ہے۔ وہ کہنا یہ چاہتے ہیں کہ بھلا وہ شخص یا قوم کیا ترقی حاصل کر سکتی ہے جو ہمیشہ دوسروں کی تقلید کرتی ہے۔ زندگی میں انسان کی فضیلت و برتری کا سب سے بڑا معیار تحقیق و اجتہاد ہے نہ کی تقلید جس سے انسان قوت ارادی کھو بیٹھتا ہے۔ تخلیق کی اہمیت، اقبالؔ کے نزدیک یہ ہے کہ۔

جہانِ تازہ کی افکارِ تازہ سے ہے نمود
کہ سنگ و خشت سے ہوتے نہیں جہاں پیدا!

(طربِ کلیم: "تخلیق")

وہ ہے صاحبِ امروز جس نے اپنی ہمت سے
زمانے کے سمندر سے نکالا گوہرِ فردا

(بالِ جبریل": غزل ۱)

اس بند کے پہلے شعر میں متذکرہ بالا خیالات کا ہی اعادہ کیا گیا ہے۔ اقبال اس کے قائل تھے کہ انسان کے ہنر میں ایک تازہ جہاں آباد ہے، جو بخشے ہوئے فردوس کو بھی خاطر میں نہیں لاتا اور اپنی جنت اپنے خون جگر سے تعمیر کرتا ہے۔ ایسا ہی انسان اقبالؔ کی فکر کا مرکزی نقطہ ہے ایسے خلّاق انسان کے لیئے وقت ایک چیلنج ہے جسے وہ قبول کرتا ہے۔ اور باشعور ہونے کی وجہ کر سب سے بڑا خالق بن سکتا ہے۔ اقبالؔ نے اس کی تخلیقی قوت کے متعلق فرمایا ہے۔

"Man in whom egohood has reached its relative perfection occupies a genuine place in the heart of divine creative energy and thus possesses a much degree of creativity than things around him of all the creations of God. He alone is capable of consciously participating in that creative life of his Maker."

("Reconstruction of Religious Thoughts in Islam")

اس بند میں دوسرا شعر درج ذیل آیات پر دلالت کرتا ہے :-

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اگر تم ان لوگوں کے اشاروں پر چلو گے جنھوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے تو وہ تم کو الٹا پھیر لے جائیں گے اور تم نامراد ہو جاؤ گے۔ (انکی باتیں غلط ہیں) ۔حقیقت یہ ہے کہ اللہ تمہارا حامی و مددگار ہے اور وہ بہترین مدد کرنے والا ہے ۔

(سورۃ آلِ عمران ۳۔ رکوع ۱۶)

"اور اے نبیؐ، اگر تم ان لوگوں کی اکثریت کے کہنے پر چلو جو زمین میں بستے ہیں تو وہ تمہیں اللہ کے راستہ سے بھٹکا دیں گے۔ وہ تو محض گمان پر چلتے اور قیاس آرائیاں کرتے ہیں" ۔

(سورۃ الانعام ۶۔ رکوع ۱۴)

"اللہ ایک مثال دیتا ہے۔ ایک شخص تو وہ ہے جس کے مالک ہونے میں بہت سے کج خلق آقا شریک ہیں جو اسے اپنی طرف کھینچتے ہیں اور دوسرا شخص پورا کا پورا ایک ہی آقا کا غلام ہے۔ کیا ان دونوں کا حال یکساں ہو سکتا ہے؟ الحمد للہ، مگر اکثر لوگ نادانی میں پڑے ہوئے ہیں ۔

(سورۃ الزمر ۳۹۔ رکوع ۳)

ایسے ہی خیالات اقبال کے اس شعر میں بھی ملتے ہیں ؎

تقلید کے روش سے تو بہتر ہے خود کشی
رستہ بھی ڈھونڈ، خضر کا سودا بھی چھوڑ دے

("بانگِ درا": غزلیات حصہ اوّل)

اس بند کے تیسرے شعر میں تجدید کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس سے اقبال کی مراد یہ ہے کہ مسلمانوں میں جو غلط عقائد آ گئے ہیں ان کو قرآن اور دین اسلام کی روح سے پاک کر کے حقیقی شکل میں پیش کیا جائے۔ اقبال نے اس تجدید کی مذمت کی ہے جس تجدید کا تصوّر فقط "نرم شبانہ" یعنی دنیاوی لذتوں سے فیضیاب ہونا ہو۔

اس بند کے چوتھے اور آخری شعر میں اقبال نے اشارۃً ان مجددوں کو نشانہ بنایا ہے جنھوں نے دین اسلام کی روح کی شکل مسخ کر کے تجدید کے نام پر دین کا ایک نیا تصوّر پیش کیا ہے۔ اقبال کا اشارہ اپنے ہمعصروں، ترکی کے مصطفٰے کمال پاشا اور افغانستان کے شاہ امان اللہ کی طرف ہے۔

ساتواں بند

روسی بدلے، شامی بدلے، بدلا ہندوستان
تو بھی اے فرزند کہستان! اپنی خودی پہچان
اپنی خودی پہچان
او غافل افغان!
موسم اچھا، پانی وافر، مٹی بھی زرخیز
جس نے اپنا کھیت نہ سینچا وہ کیسا دہقان!
اپنی خودی پہچان
او غافل افغان!
اونچی جس کی لہر نہیں ہے، وہ کیسا دریائے!
جس کی ہوائیں تند نہیں ہے وہ کیسا طوفان!
اپنی خودی پہچان
او غافل افغان!
ڈھونڈ کے اپنی خاک میں جس نے پایا اپنا آپ
اس بندے کی دہقانی پر سلطانی قربان!
اپنی خودی پہچان
او غافل افغان
تیری بے علمی نے رکھ لی بے علموں کی لاج
عالم فاضل بیچ رہے ہیں اپنا دین ایمان
اپنی خودی پہچان
او غافل افغان!

اس بند میں اقبالؔ نے افغانیوں کی دینی حمیت، جفاکشی اور انگریزوں سے ان کی شدید نفرت کا ذکر کیا ہے۔ اس لئے ان کو اس بند میں بار بار اپنی خودی کو عشقِ رسول میں گرویدہ کر کے دین اسلام کے پرچم کو سربلند کرنے کی ترغیب دی ہے کیونکہ افغانی ہمیشہ سے جری اور بہادر رہے ہیں۔ فقر اور استغنا ان کی گھٹی میں پڑی رہی ہے اس لئے اقبال پر امید ہیں کہ افغانیوں میں بھی انقلاب آئے گا۔

اس بند کے دوسرے اور تیسرے ذیلی بندوں میں افغانیوں کو اپنے قوت بازو سے رزق حلال پیدا کرنے کی تلقین کی گئی ہے جو اسی وقت ممکن ہے جب کہ (جیسے چوتھے ذیلی بند میں اقبالؔ نے کہا ہے) اس دہقان پر یہ روشن ہو جائے گا کہ شان فقر خودی کی وہ منزل ہے جہاں سلطانی بھی اس کے سامنے ہیچ ہے۔ اقبال نے پنجاب کے دہقانوں کو بھی اپنی خودی پرکھنے کی صلاح دی تھی:۔

زمین میں ہے گوہر کیوں کی برات
نہیں اس اندھیرے میں آبِ حیات!
زمانے میں جھوٹا ہے اس کا نگیں
جو اپنی خودی کو پرکھتا نہیں!

(بال جبریل: "پنجاب کے دہقاں سے)

اس بند کے پانچویں اور آخری ذیلی بند میں اقبال نے افغانیوں کو خصوصاً اور عام مسلمانوں کو عموماً اس فتنہ سے آگاہ کیا ہے جو سامراجی طاقتیں کسی ملک کو زیر نگیں رکھنے کے لئے غلامی پر رضامند رہنے کا جواز علمائے دین سے فراہم کراتے رہتے ہیں افغانستان میں تعلیم کی ہمیشہ سے کمی رہی ہے اور یہ ملک ہمیشہ سے پسماندہ رہا ہے افغانیوں کی بے علمی اور ان کی غربت سے فائدہ اٹھا کر وہاں کے علماء انگریزوں کی مدح خوانی کرنے لگے جسے اقبالؔ نے "عالم فاضل بیچ رہے ہیں اپنا دین ایمان" کہا ہے۔ سامراجیوں کا یہ حربہ آج بھی ان بیچارے افغانیوں پر کارگر ہے۔ غلامی کی اس

LIBRARY New Delhi

نفسیات پر اقبالؔ کے یہ اشعار خالی از دلچسپی نہ ہوں گے :۔

شاعر بھی ہیں پیدا، علماء حکما بھی
خالی نہیں قوموں کی غلامی کا زمانہ
کرتے ہیں غلاموں کو غلامی پہ رضامند
تاویلِ مسائل کو بناتے ہیں بہانہ

(ضربِ کلیم :۔ نفسیاتِ غلامی)

اقبالؔ نے ان علماء دین کو ان کی ایمان فروشی پر انہی درج ذیل آیات کی یاد دلائی ہے :۔

"اللہ کی آیات کا کھیل نہ بناؤ۔ بھول نہ جاؤ کہ اللہ نے کس نعمتِ عُظمیٰ سے تمہیں سرفراز کیا ہے۔ وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ جو کتاب اور حکمت اس نے تم پر نازل کی ہے اس کا احترام ملحوظ رکھو۔ اللہ سے ڈرو اور خوب جان لو کہ اللہ کو ہر بات کی خبر ہے۔"

(سورۃ البقرہ ۲۔ رکوع ۲۹)

"اے نبیؐ، تمہارے رب کی کتاب میں سے جو کچھ تم پر وحی کیا گیا ہے اسے (جیوں کا تیوں) سنا دو۔ کوئی اس کے فرمودات کو بدل دینے کا مجاز نہیں ہے اور اگر تم کسی کی خاطر اس میں ردوبدل کرو گے تو اس سے بچ کر بھاگنے کے لئے کوئی جائے پناہ نہ پاؤ گے"۔

(سورۃ الکہف ۱۸۔ رکوع ۴)

"حق یہ ہے کہ جو لوگ انکے احکام کو چھپاتے ہیں جو اللہ نے اپنی کتاب میں نازل کی ہے اور تھوڑے سے دُنیوی فائدوں پر انہیں بھینٹ چڑھاتے ہیں وہ دراصل اپنے پیٹ آگ سے بھر رہے ہیں۔ قیامت کے روز اللہ ہرگز ان سے بات نہ کرے گا نہ انہیں پاکیزہ ٹھہرائے گا

اور ان کے لئے دردناک سزا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے ہدایت کے بدلے ضلالت خریدی اور مغفرت کے بدلے عذاب مول لے لیا کیا عجب ہے ان کا حوصلہ کہ جہنم کا عذاب برداشت کرنے کیلئے تیار ہیں۔

(سورۃ البقرہ ۲۔ رکوع ۲۱)

"جو لوگ ہماری نازل کی ہوئی روشن تعلیمات اور ہدایات کو چھپاتے ہیں درآں حالیکہ ہم انہیں سب انسانوں کی رہنمائی کے لئے اپنی کتاب میں بیان کر چکے ہیں۔ یقین جانو کہ اللہ بھی ان پر لعنت کرتا ہے اور تمام لعنت کرنے والے بھی ان پر لعنت بھیجتے ہیں"۔

(سورۃ البقرہ ۲۔ رکوع ۱۹)

"پس ہلاکت اور تباہی ہے ان لوگوں کے لئے جو اپنے ہاتھوں سے شرع کا نوشتہ لکھتے ہیں۔ پھر لوگوں سے کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس سے آیا ہوا ہے تاکہ اس کے معاوضے میں تھوڑا سا فائدہ حاصل کرلیں۔ ان کے ہاتھوں کا یہ لکھا بھی ان کے لئے تباہی کا سامان ہے اور ان کی کمائی بھی ان کے لئے موجبِ ہلاکت"۔

(سورۃ البقرہ ۲۔ رکوع ۹)

"جو لوگ ہماری آیات کو الٹے معنی پہناتے ہیں وہ ہم سے کچھ چھپے ہوئے نہیں ہیں"۔

(سورۃ حٰمٓ السجدۃ ۴۱۔ رکوع ۵)

"اے نبیؐ، اگر یہ لوگ تمہیں جھٹلاتے ہیں تو بہت سے رسول تم سے پہلے جھٹلائے جا چکے ہیں جو کھلی کھلی نشانیاں اور صحیفے اور روشنی بخشنے والی کتاب لائے تھے"۔

(سورۃ آلِ عمران ۳۔ رکوع ۱۹)

"بکثرت لوگوں کا حال یہ ہے کہ علم کے بغیر محض اپنی خواہشات کی بنا پر گمراہ کن باتیں کرتے ہیں۔ ان حد سے گذرنے والوں کو تمہارا رب خوب جانتا ہے۔"

(سورۃ الانعام ۶۔ رکوع ۱۴)

اور انسانوں ہی میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو کلام دلفریب خرید کر لاتا ہے تاکہ لوگوں کو اللہ کے راستے سے علم کے بغیر بھٹکا دے اور اس راستے کی دعوت کو مذاق میں اڑا دے۔"

(سورۃ لقمٰن ۳۱۔ رکوع ۱)



آٹھواں بند

زاغ کہتا ہے نہایت بدنما ہیں تیرے پر
شپرک کہتی ہے تجھ کو کور چشم و بے ہنر
لیکن اے شہباز، یہ مُرغانِ صحرا کے اچھوت
ہیں فضائے نیلگوں کے پیچ و خم سے بے خبر!
ان کو کیا معلوم اس طائر کے احوال و مقام
روح ہے جس کی دمِ پروانہ سرتا پا نظر!

اس بند کے پہلے دو اشعار میں اقبالؔ نے زاغ اور چمگادڑ (شپرک) کی زبانی باز پر طعن امیز فقرہ کہلوا کر یہ نکتہ ذہن نشیں کرایا ہے کہ ان دونوں کی حیثیت حیوانات میں اچھوت کی سی ہے جو فضائے نیلگوں کے پیچ و خم سے بے خبر ہیں۔ اس لئے کہ وہ صرف ظاہر کو دیکھتے ہیں جب کہ باز ظاہر و باطن دونوں میں ان سے سبقت رکھتا ہے اقبالؔ نے باز کو بھی شاہین کی طرح علامت بنا کر ان سب اوصاف کا متحمل بتایا ہے جو اس مضمون کے شروع میں، تمہید کے طور پر، شاہین کے لئے گزر چکا ہے۔ باز کی دو خوبیاں "نظر" اور پرواز" مومن کی صفات سے مماثلت رکھتی ہیں جس سے زاغ اور چمگادڑ دونوں محروم ہیں ایک کی دوڑ دھوپ چند پھیروں تک محدود ہے اور دوسرے کو دن میں کچھ نہیں سوجھتا۔ چہ جائیکہ باز اپنا شکار اپنی آنکھ اور پرواز سے حاصل کر لیتا ہے۔ ان اشعار میں زاغ اور چمگادڑ سے مراد ایسے لوگ ہیں جو مسلمانوں پر طعن اور طنز کرتے رہتے ہیں۔

اس بند کے تیسرے شعر میں اقبال نے احوال اور مقام کا ذکر کیا ہے جو تصوّف کی اصلاحیں ہیں جو ایک مرد مومن کی بلند ترین شعوری امکانات کی طرف اشارہ کرتی ہیں جہاں جذب کی کیفیت کائنات میں گم ہو کر نہیں رہ جاتی بلکہ آفاق سے ماورا اس کی نظر پرواز کرتی ہے اس کا جذب ماورائی حیاتی عمل ہے جو مستقبل کے وسیع تر امکانات کی طرف ہر دم اشارہ کرتا رہتا ہے اور اس کا عمل تسخیر انہی برتر مقاصد کے لئے ہوتا ہے اقبالؔ اس مقام کی طرف اشارہ کرتے رہتے ہیں جہاں پہنچ کر ایک مرد مومن کسی ایک نقطہ کو انتہائے مقصود نہیں سمجھ کر اپنی شخصیت کی تحقیقی قوت کو محدود نہیں کر دیتا۔ وہ قرب الٰہی حاصل کرنے کے باوجود اپنے مرحلۂ شوق کو طے نہیں کر دیتا بلکہ ہمیشہ مخفی کائنات کی تکمیل کے لئے آگے بڑھتا رہتا ہے اسی اساس ناتمامی کے احوال اس کے عمل کے سب سے بڑے محرک ہیں۔

اقبالؔ نے اس شعر میں ایک مومن کے احوال و مقام کو اس کی شاہینی، فقری

قلندری، اور درویشی کی خصوصیات کا متحمل بنایا ہے۔ اقبالؔ کی درویشی یکسوئی کے بعد تسخیر کائنات کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ قلندری، ان کے لئے عمل کا مقام ہے اور درویشی قلندری کی پہلی منزل ہے قلندری درویشی کے منظم منصوبوں کو عملی جامہ پہناتی ہے۔

اقبالؔ جب یہ کہتے ہیں کہ ؎

روح ہے جس کی دم پر دانہ سر تا پا نظر

تو اس سے ان کی مراد قانونِ الٰہیہ کے "لا الٰہ" کے پہلو پر پورے عزم و یقین کے ساتھ کاربند ہو جانا ہے۔ اقبالؔ کے یہ تصورات درج ذیل آیات کی روشنی میں ذہن نشیں کئے جا سکتے ہیں:۔

یقیناً متقیوں کے لئے کامرانی کا ایک مقام ہے"

(سورۃ النبا ۷۸۔ رکوع ۱)

وہ دن جب کہ ہم جہنم سے پوچھیں گے: "کیا تو بھر گئی؟" وہ کہے گی: "کیا اور کچھ ہے؟" اور جنت متقین کے لئے قریب لے آئی جائے گی کچھ بھی دور نہ ہوگی۔ ارشاد ہوگا: "یہ ہے وہ چیز جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ ہر اس شخص کے لئے جو بہت رجوع کرنے والا اور اور بڑی نگہداشت کرنے والا تھا۔ جو بے دیکھے رحمٰن سے ڈرتا تھا اور جو دلِ گرویدہ لئے ہوئے آیا ہے داخل ہو جاؤ جنت میں سلامتی کے ساتھ"

(سورۃ قٓ ۵۰۔ رکوع ۳)

ایک مومن کے احوال و مقام پر اقبال نے "بالِ جبریل" کی درج ذیل غزلوں میں بھی روشنی ڈالی ہے جن سے اس بند کے اس تیسرے شعر کی مزید وضاحت ہوتی ہے۔

دلوں میں ولولے آفاق گیری کے نہیں اٹھتے
نگاہوں میں اگر پیدا نہ ہو انداز آفاقی !

(غزل ۳۶)

نگاہِ عشق دل زندہ کی تلاش میں ہے
شکارِ مردہ سزاوارِ شاہباز نہیں

(غزل ۱۵)

تمہے مقام کو انجم شناس کیا جانیں
کہ خاک زندہ ہے تو طابعِ ستارہ نہیں

(غزل ۲۱)

امینِ راز ہے مردانِ حر کی درویشی
کہ جبرئیل سے ہے اس کو نسبتِ خویشی

(غزل ۵)

نہ بادہ ہے نہ صراحی، نہ دورِ پیمانہ
فقط نگاہ سے رنگیں ہے بزمِ جانانہ

(غزل ۲۸)

نگاہ پاک ہے تیری تو پاک ہے دل بھی
کہ دل کو حق نے کیا ہے نگاہ کا پیرو !

(غزل ۵۵)

نواں بند

عشق طینت میں فرد مایہ نہیں مثل ہوس

پرِ شہباز سے ممکن نہیں پروازِ مگس

یوں بھی دستورِ گلستاں کو بدل سکتے ہیں

کہ نشیمن ہو عنادل پہ گراں مثلِ قفس!

سفر آمادہ نہیں منتظرِ بانگِ رحیل

ہے کہاں قافلۂ موج کو پروائے جرس!

گرچہ مکتب کا جواں زندہ نظر آتا ہے

مردہ ہے مانگ کے لایا ہے فرنگی سے نفس!

پرورش دل کی اگر مدِّ نظر ہے تجھ کو

مردِ مومن کی نگاہِ غلط انداز ہے بس!

اس بند میں اقبال نے عشق کے مضمرات اور ان کی بدولت جہاد فی سبیل اللہ کا جذبۂ محرک پیدا ہونے کی باتوں کو ذہن نشین کرایا ہے۔ تسخیر فطرت اور انسانی صلاحیتوں کی نشو ونما اور ارتقا کے سفر میں صعوبتوں اور دشواریوں کی طرف دھیان مبذول کراتے ہوئے انھوں نے یہ تلقین کی ہے کہ اس دشوار گذار مرحلے میں عشق کو اندرونی حالت میں سفر جاری رکھ کر منزل مقصود تک پہنچنا مرتبۂ کمال ہے۔ یہ اندرونی قوت ہے نصب العین سے محبت اور ایسی اندرونی کیفیت اور ولولہ انگیز فعالی قوت کو اقبال عشق سے موسوم کرتے ہیں۔ جب یہ عشق دل میں جگہ کر لیتا ہے تو پھر سفر کی مشکلات اور راہ میں آنے والے خطروں کی فکر نہیں رہتی۔ عشق کی اس نگاہ غلط انداز" کی وجہ کر اس کے عمل میں وہ مستی پیدا ہوتی ہے جس سے تسخیر فطرت کا کام آسان ہو جاتا ہے۔ عشق کی" نگاہِ غلط انداز" کی بہترین مثال اقبال کے کلام میں ہے ؎

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لب بام ابھی

(بانگ درا : "غزلیات حصّہ سوئم)

عشق کے انہی شعلوں کو دل میں فروزاں رکھ کر جب ایک مرد مومن ماحول کو مسخر کر کے اپنے تصرف میں لاتا ہے تو وہ ایک منظم، مرتب، پرسکون، اور پرمسرت معاشرہ کی داغ بیل ڈالتا ہے۔ جس معاشرہ میں ہر فرد اپنی فطری صلاحیتوں کو بروئے کار لاتا ہے اور یہ صلاحیتیں ترقی کی منزلیں طے کر کے اس کی شخصیت میں مکمل آہنگی پیدا کر دیتی ہیں۔ فطری صلاحیتوں کی یہی مکمل آہنگی خودی کی تکمیل اور معراج ہے۔ جو انسان کے ان جملہ صفات پر حاوی ہے۔ جس سے مادے اور روح دونوں کی بنیاد میں یمینیت اور مثالیت کی تشکیل ہوتی ہے۔

عشق اور خودی کے باہم تعلق پر اقبال نے بار بار اظہار خیال کیا ہے۔ اس لئے کہ خودی کی تخلیق عشق ہی سے ہوتی ہے اور عشق کے بغیر خودی میں زندگی کی کوئی علامت

نایا نہیں ہو سکتی خودی اگر جسم ہے تو عشق اس کے لئے بمنزلۂ روح۔ اجزائے عالم کی تخلیق سراسر عشق ہی کی بدولت ہے۔ کائنات میں ہر طرف عشق ہی کا جلوہ نظر آتا ہے۔ محبت کی یہی وحدت اور عشق کے ایسی توازن کی طرف اقبال نے اشارہ کیا ہے۔ دوسری جگہ کہتے ہیں۔

حقیقت ایک ہے ہر شے کی خاکی ہو کہ نوری کو
لہو خورشید کا ٹپکے اگر ذرہ کا دل چیریں

(بانگ درا: طلوع اسلام)

عشق کے اسی باطنی تعلّق کے متعلق ایک اور جگہ فرماتے ہیں ؎

کمال وحدت عیاں ہے ایسا کہ نوک نشتر سے تو جو چیرے
یقین ہے مجھکو گرے رگ گل سے قطرہ انسان کے لہو کا

(بانگ درا: غزلیات حصہ دوئم)

عشق کے معاملے میں اصولی طور پر یہ بات ذہن نشیں رکھنے کی ہے کہ قرآن کی رو سے عشق سے مراد عشق رسول ہے بمصداق ان آیات کے :-

اے نبیؐ، لوگوں سے کہدو کہ: اگر تم حقیقت میں اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی اختیار کرو۔ اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہاری خطاؤں سے درگذر فرمائے گا وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحیم ہے۔"

اِن سے کہو کہ: "اللہ اور رسول کی اطاعت قبول کرو۔" پھر اگر وہ تمہاری یہ دعوت قبول نہ کریں تو یقیناً یہ ممکن نہیں ہے کہ اللہ ایسے لوگوں سے محبت کرے جو اس کی اور اس کے رسول کی اطاعت سے انکار کرتے ہوں۔"

(سورۃ آل عمران ۳۔ رکوع ۴)

"جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے دراصل خدا کی

اطاعت کی"۔

(سورۃ النساء ۴۔ رکوع ۱۱)

اس بند کے پہلے شعر میں اقبال نے عشق اور ہوس کے فرق کو واضح کیا ہے جس کا موازنہ انھوں نے شہباز اور مگس سے کیا ہے اور دونوں کی نوعیت پرواز اور غائتِ پرواز کے فرق کو بتایا ہے۔ شہباز اقبال کا علامتی مردِ مومن ہے اس نکتہ پر اقبال کے یہ تصورات درج ذیل آیات کے ترجمان ہیں :۔

"حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے مومنوں سے ان کے نفس اور ان کے مال جنّت کے بدلے خرید لئے ہیں وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں اور مارتے اور مرتے ہیں ..... اللہ کی طرف بار بار پلٹنے والے، اس کی بندگی بجا لانے والے، اس کی تعریف کے گن گانے والے، اس کی خاطر زمین میں گردش کرنے والے، اس کے آگے رکوع اور سجدے کرنے والے نیکی کا حکم دینے والے، بدی سے روکنے والے، اللہ کے حدود کی حفاظت کرنے والے (اس شان کے ہوتے ہیں وہ مومن جو اللہ سے بیع کا یہ معاملہ کرتے ہیں)۔ اور اے نبیؐ، ان مومنوں کو خوش خبری دے دو"۔

(سورۃ التوبہ ۹۔ رکوع ۱۴)

اس بند کے دوسرے شعر میں اقبال نے دنیاوی عیش و آرام کو چھوڑ کر عمل کی سرگرمیوں میں لگ جانے اور سخت کوشی کی لذتوں سے لطف اندوز ہونے کی باتیں کی ہیں جو لازماً نتیجہ ہیں۔ اس عشق کا جن کی ترجمانی متذکرہ بالا آیات میں ملتی ہیں اور جو نتائج سے بالکل بے نیاز ہو کر حیاتِ قوی کے لئے دلیرانہ اقدام، قوائے جسمانی میں ہیجان، روح میں بیداری اور احساسات میں ایک بے پناہ ارتعاش پیدا کر دیتے ہیں۔ عمل کی ان ہی محرکات کو جو عشق سے صاحب فروغ ہوتے ہیں اقبال نے دوسری جگہ اسی طرح

ذہن نشیں کرایا ہے :۔

شرعِ محبت میں ہے عشرتِ منزل حرام
شورشِ طوفان حلال لذتِ ساحل حرام
عشق پہ بجلی حلال، عشق پہ حاصل حرام
علم ہے ابن الکتاب، عشق ہے امّ الکتاب

(ضربِ کلیم : علم و عشق)

یہ عالم یہ ہنگامہ رنگ و صورت
یہ عالم یہ بتخانۂ چشم و گوش
خودی کی ہے یہ منزلِ اولیں
تری خاک اس خاکداں سے نہیں!
بڑھے جا یہ کوہِ گراں توڑ کر

یہ عالم کہ ہے زیرِ فرمانِ موت
جہاں زندگی ہے فقط خورد و نوش
مسافر! یہ تیرا نشیمن نہیں!
جہاں تجھ سے ہے تو جہاں سے نہیں
طلسمِ زماں و مکاں توڑ کر

(بالِ جبریل : ساقی نامہ)

اس بند کے تیسرے شعر میں اقبال نے ایک مردِ مومن کے جذبۂ عشق کو للکارا ہے۔ وہ یہ کہ عشق کا جذبہ کسی اعلانِ جہاد کا منتظر نہیں رہتا بلکہ خود اعلانِ جہاد بن جاتا ہے۔ خارجی حالات و اثرات سے بے پرواہو کر وہ اپنے مقصد کی تکمیل کے لئے کسی قسم کے خطرے کی پرواہ کئے بغیر خود پیش قدمی کرتا ہے۔ انہیں خیالات کا اعادہ اقبال نے اس شعر میں بھی کیا ہے ؎

فریبِ خوردۂ منزل ہے کارداں ورنہ
زیادہ راحتِ منزل سے ہے نشاطِ رحیل

(بالِ جبریل : غزل ۴۲)

اس بند کے چوتھے شعر میں اقبال نے مسلمانوں کے ذہنی اعتبار سے، مغربی تعلیم کے زیرِ اثر، اسلامی روح کھو دینے اور اس لادینیت کو اپنے نفس کی خواہشات

کا مدعا بنا لینے پر طنز کیا ہے۔ فرنگی مکتب کی روح کو سمجھنے کے لئے میکالے کا یہ درج ذیل جملہ خالی از دلچسپی نہ ہوگا جو مغربی طرز تعلیم سے ایسا طبقہ پیدا کرنا چاہتا ہے جو بقول اس کے

"خون اور رنگ کے اعتبار سے تو ہندوستانی ہوں گے مگر رائے۔
اخلاق اور ذہن کے اعتبار سے انگریز ہوں گے"

(بحوالہ "تاریخ ہند")

قرآن مجید میں ایسے گمراہوں کے متعلق ارشاد ہے :-

"تمہارا رب ان لوگوں کو بھی خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں اور وہی ان کو بھی اچھی طرح جانتا ہے جو راہ راست پر ہیں۔ لہٰذا تم ان جھٹلانے والوں کے دباؤ میں ہرگز نہ آؤ۔ یہ تو چاہتے ہیں کہ تم مداہنت کرو تو یہ بھی مداہنت کریں"

[سورۃ القلم ۶۸۔ رکوع ۱]

اس فرنگی نفس کی مذمت اقبال کے اس شعر میں بھی ملتی ہے ؎

برانہ مان، ذرا آزما کے دیکھ اسے = فرنگ دل، خرابیٔ خرد کی معموری!

("بال جبریل : غزل ۱۹)

اس بند کے پانچویں اور آخری شعر میں اقبال نے یہ نکتہ پیش کیا ہے کہ دل انسان کے سینے میں روحانی تاثرات کا مرکز ہے۔ سوز عشق کی تکمیل کا نام ہی دل ہے عشق جب سوز اختیار کر لیتا ہے تو سراپا دل بن جاتا ہے دل اگر فانوس ہے تو عشق اس فانوس کا شعلہ کہا جا سکتا ہے دل کی تعریف اقبال نے اس طرح کی ہے۔

چہ می پرسی میان سینۂ دل چیست — خرد چوں سوز پیدا کرد دل شد
دل از ذوقِ تپش دل بود لیکن — چو یک دم از تپش افتاد گِل شد

دل کے ممکنات اور اس کی تخلیق کا اصل سرمایہ اقبال کے الفاظ میں یہ ہیں :-

عرش کا ہے کبھی کعبہ کا ہے دھوکا اس پر
کس کی منزل ہے الٰہی! میرا کاشانۂ دل
خاک کے ڈھیر کو اکسیر بنا دیتی ہے
وہ اثر رکھتی ہے خاکسترِ پروانۂ دل
عشق کے دام میں پھنس کر یہ ہرا ہوتا ہے
برق گرتی ہے تو یہ نخل ہرا ہوتا ہے

(بانگ درا : "دل")

خدا کی موجودگی جو ایک ناقابل تقسیم حقیقت ہے، اس کا صرف اعتقاد ہی کافی نہیں کہ وہ حاضر و ناظر ہے بلکہ اس کا وجدانی ادراک بھی اتنا ہی ضروری ہے اسلامی حسن سلوک میں دل کو وجدانی ادراک کا مرکز قرار دیا گیا ہے جس کے آئینے میں جمال الٰہی جلوہ فگن ہوتا ہے دل جو عشق کا سرچشمہ اور منبع ہے اس کی عظمت اقبال کے نزدیک یہ ہے کہ اگر مرنے کے بعد کہیں انکی خاک پریشان ہو کر دل بن گئی تو کہیں دوسری مشکل نہ پیدا کر دے :-

پریشاں ہو کے میری خاک آخر دل نہ بن جائے
جو مشکل اب ہے یارب پھر وہی مشکل نہ بن جائے
نہ کر دیں مجھ کو مجبورِ نوا فردوس میں حوریں
مرا سوزِ دروں پھر گرمیٔ محفل نہ بن جائے

("بال جبریل" غزل ۶)

دل اور عشق کے تعلق پر قرآن میں ارشاد ہے :-

"کیا ایمان لانے والوں کیلئے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ انکے دل اللہ کے ذکر سے پگھلیں اور اسکے نازل کردہ حق کے آگے جھکیں اور ان لوگوں کیطرح نہ ہو جائیں جنھیں پہلے کتاب دی گئی تھی پھر ایک لمبی مدت ان پر گذر گئی تو انکے دل سخت ہو گئے اور آج ان میں سے اکثر فاسق بنے ہوئے ہیں"۔ (سورۃ الحدید، ۵۷۔ رکوع ۲)

دسواں بند

وہی جواں ہے قبیلے کی آنکھ کا تارا
شباب جس کا ہے بے داغ ضرب ہے کاری
اگر ہو جنگ تو شیرانِ غاب سے بڑھ کر
اگر ہو صلح تو رعنا غزال تاتاری!
عجب نہیں ہے اگر اس کا سوز ہے ہمہ سوز
کہ نیستاں کیلئے بس ہے ایک چنگاری!
خدا نے اس کو دیا ہے شکوہِ سلطانی
کہ اس کے فقر میں ہے حیدری و کرّاری!
نگاہ کم سے نہ دیکھ اس کی بے کُلاہی کو
یہ بے کُلاہ ہے، سرمایۂ کلہ داری!

اس بند میں اقبالؔ جوانوں سے مخاطب ہیں اور ان میں وہی خوش ایمانی اور ان کے فقر میں وہی حیدری و کراری اور جذبہ جہاد دیکھنے کے متمنی ہیں جو حق و باطل کی جنگ میں باطل کا قلع قمع کر دے۔ اس بند کے پہلے شعر میں وہ جوانوں کو پاکبازی اختیار کرنے اور جہاد فی سبیل اللہ کے لئے تیار رہنے کی تلقین کرتے ہیں جوانوں کے جذبۂ ایمانی پر سورۃ "الکھف ۱۸" رکوع ۱ اور ۲ میں غار اور کتے والوں کی باتیں شاید اقبالؔ کے ذہن میں رہی ہوں یہ نوجوانان ابتدائی دور کے پیروانِ مسیح میں تھے۔ اور رومی سلطنت کے رعایہ تھے جو اس وقت مشترک تھی اور اہل توحید کی سخت دشمن ہو رہی تھی۔ وہ چند نوجوان غار میں پناہ گزیں ہوئے اور انہوں نے کہا: "اے پروردگار! ہم کو اپنی رحمت خاص سے نواز اور ہمارا معاملہ درست کر دے" ان کے متعلق ارشاد ہے:۔

"ہم (اللہ) ان کا اصل قصہ تمہیں (نبی کو) سناتے ہیں۔ وہ چند نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے تھے اور ہم نے ان کو ہدایت میں ترقی بخشی تھی ہم نے ان کے دل اس وقت مضبوط کر دیئے جب وہ اٹھے اور انہوں نے یہ اعلان کر دیا کہ: 'ہمارا رب تو بس وہی ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے ہم اسے چھوڑ کر دوسرے معبود کو نہ پکاریں گے۔ اگر ہم ایسا کریں تو بالکل بیجا بات نہ کریں گے:"

"جاوید نامہ" میں اقبال جوانوں سے یوں مخاطب ہوتے ہیں:۔

حفظ جاں ہا ذکر و فکر بے حساب
حفظ تن ضبط نفس اندر شباب
حاکمی در عالم بالا و پست
جز بحفظ جان و تن ناید بدست

جوانوں اور بچوں کے جذبۂ ایمانی اور جذبۂ جہاد (ضرب کاری) پر

بہت سی روایات منقول ہیں جو شعر کے پہلے مصرعہ پر صادق ہیں ہیں

"حضرت عمیرؓ بن ابی وقاص ایک نوعمر صحابی ہیں۔ شروع ہی میں مسلمان ہو گئے تھے۔ ان کے بھائی سعد بن وقاص کہتے ہیں کہ بدر کی لڑائی میں لشکر کی روانگی کے وقت وہ اِس ڈر سے چھپتے پھر رہے تھے کہ کم عمر ہونے کی وجہ کر رسول اللہ ان کو جنگ میں شرکت کی اجازت نہ دیں گے اور لڑائی میں شریک ہونے اور شہادت نصیب ہونے کی تمنا پوری نہ ہو سکے گی۔ چنانچہ پہلے تو حضور صلعم نے ان کے شریک ہونے سے انکار کیا تو وہ رو پڑے۔ جب رسول اللہ کو رونے کا حال معلوم ہوا تو اجازت دے دی وہ لڑائی میں شریک ہوئے اور شہادت کی ان کی تمنا پوری ہوئی"

("فضائلِ اعمال": حکایاتِ صحابہؓ)

اب جوانوں کی ضرب کاری ملاحظہ ہو :-

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ مشہور اور بڑے صحابہ میں ہیں فرماتے ہیں کہ میں بدر کی لڑائی میں میدان میں لڑنے والوں کی صف میں کھڑا تھا۔ میں نے دیکھا کہ میرے دائیں اور بائیں جانب انصار کے دو کم عمر لڑکے ہیں۔ ایک نے مجھ سے پوچھا کہ تم ابوجہل کو جانتے ہو۔ میں نے کہا: پہچانتا ہوں"۔ تمہاری کیا غرض ہے؟ اس نے کہا: مجھے یہ معلوم ہوا کہ وہ رسول اللہ کی شان میں گالیاں بکتا ہے اس پاک ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ اگر میں اس کو دیکھ لوں تو اس وقت تک اس سے جدا نہ ہوں گا کہ وہ مر جائے یا میں مر جاؤں"۔ اتنے میں دوسرے نے بھی یہی سوال کیا۔ اور ابوجہل گھوڑے پر سوار تھا۔ ایک نے گھوڑا پر حملہ کیا اور دوسرے نے

ابو جہل کی ٹانگ پر۔ جس سے گھوڑا بھی گرا اور ابو جہل بھی گرا اور اٹھ نہ سکا۔ ان دونوں حضرات نے اس کو ایسا کر کے چھوڑا کہ اٹھ نہ سکے اور وہیں پڑا تڑپتا رہے اس کے بعد عبداللہ بن مسعودؓ نے بالکل ہی سر جدا کر دیا۔"

("فضائل اعمال" حکایات صحابہؓ)

مسلم جوانوں کی بے حسی اور بے عملی سے جو جذبۂ ایمانی کے نہ ہونے کی وجہ کر تھی" اقبال ہمیشہ مضطرب رہے اور مختلف طریقوں سے ان میں ترغیبِ عمل کے رجحانات اجاگر کرنے کی کوشش کرتے رہے چند اشعار خالی از دلچسپی نہ ہوں گے

عقابی روح جب بیدار ہوتی ہے جوانوں میں
نظر آتی ہے اس کو اپنی منزل آسمانوں میں
نہیں تیرا نشیمن قصرِ سلطانی کے گنبد پر
تو شاہیں ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں میں

(بال جبریل: "نوجوان کے نام")

اگر جواں ہوں میری قوم کے جسور و غیور
قلندری میری کچھ کم سکندری سے نہیں

(ضرب کلیم: "مسلمان کا زوال")

اس بند کے دوسرے شعر میں اقبال نے رسول اللہ کے طریقۂ کار کی طرف اشارہ کیا ہے جنہوں نے وقت کی مصلحتوں کو مدنظر رکھ کر، اگر جنگی کارروائی کی ضرورت پڑی تو بیٹھے نہیں رہے اور اگر مصالحت کی راہ ملی تو دست صلح بڑھانے سے بھی دریغ نہیں کیا اور اس ساری جد و جہد میں خدا پرستی کی روح اور اخلاقی اقدار کا نہ صرف تحفظ کیا بلکہ ان کو مسلسل نشو و نما دیتے رہے۔ اس شعر کے دونوں مصرعوں میں اقبال کے افکار و تصورات ان جانباز مومنوں کے جذبۂ ایمان و جہاد کے ترجمان ہیں جن پر لاتعداد روایتیں

منقول ہیں۔ دونوں مصرعوں پر ایک ایک روایت، نفس مضمون کو ملحوظ رکھ کر، درج کیا جا رہا ہے۔

پہلا مصرعہ: "اگر ہو جنگ تو شیرانِ غاب سے بڑھ کر" پر ایک روایت ہے کہ: —

"ہجرت کے بعد مدینہ میں رہنے والے مسلمانوں کو اسلام کے مرکز یعنی مکّہ سے نکلے ہوئے چھ سال ہو چکے تھے مگر چونکہ حج اسلام کا اہم رکن ہے اس لئے مدینہ کے مسلمانوں کو خانۂ کعبہ کے حج کی شدید خواہش ہوئی۔ چنانچہ ذوقعدہ ۶ھ میں آنحضرت نے کعبہ کی زیارت کا ارادہ فرمایا اور چودہ سو مسلمان ساتھ چلے۔ مقام ذوالحلیفہ پر پہنچ کر قربانی کی ابتدائی رسمیں ادا کی گئیں۔ اگرچہ یہ قافلہ صرف طوافِ زیارت کا شائق تھا اور جنگ کرنے کا کوئی ارادہ نہ تھا مگر قریش کو جب اس کی خبر ہوئی تو انھوں نے مکہ سے باہر ایک مقام پر اپنی قوموں کو مقابلہ کے لئے یہ کہہ کر اکٹھا کیا کہ وہ مکہ میں داخل نہیں ہو سکتے۔ اس اطلاع کے باوجود آنحضرت آگے بڑھتے رہے اور حدیبیہ کے مقام پر پہونچ کر قیام کیا۔ مکہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر حدیبیہ نام کا ایک کنواں ہے اور یہی نام اس گاؤں کا بھی ہے جہاں قبیلہ خزاعہ رہا کرتے تھے۔ حضور نے کئی آدمی قریش کے پاس بھیجا کہ میرا ارادہ جنگ کا مطلق نہیں۔ جب آخری بار حضرت عثمانؓ بھیجے گئے تو وہ واپس نہ ہوئے تو یہ ہوا اڑ گئی کہ قریش نے انہیں قتل کر دیا۔ اس خبر نے مسلمانوں کو بے چین کر دیا۔ اور حضور نے فرمایا کہ اب تو حضرت عثمان کے خون کا بدلہ لینا ہے۔ آپ ایک ببول کے درخت کے نیچے بیٹھ گئے جہاں آپ نے صحابہ کرام سے اس بات پر

بیعت لی کہ ہم مرجائیں گے لیکن جنگ سے منہ نہ موڑیں گے اور قریش سے حضرت عثمان کے خون کا بدلہ لیں گے۔ اس قول و قرار نے مسلمانوں کے اندر عجیب جوش پیدا کر دیا اور ان میں سے ہر ایک شخص شہادت کی تمنا میں سرشار کفار سے بدلہ لینے کے لئے تیار ہو گیا اس بیعت کا نام "بیعت الرضوان" ہے جس کے متعلق قرآن میں ارشاد ہے:۔

اے نبیؐ، جو لوگ تم سے بیعت کر رہے تھے دراصل اللہ سے بیعت کر رہے تھے۔ ان کے ہاتھ پر اللہ کا ہاتھ تھا۔ اب جو اس عہد کو توڑے گا اس کی عہد شکنی کا وبال اس کی اپنی ذات پر ہو گا۔"

(سورۃ الفتح ۴۸ رکوع ۱)

"اللہ مومنوں سے خوش ہو گیا جب وہ درخت کے نیچے تم سے بیعت کر رہے تھے۔ ان کے دلوں کا حال اس کو معلوم تھا۔ اس لئے اس نے ان پر سکینت نازل فرمائی ان کو انعام میں قریبی فتح بخشی اور بہت سا مال غنیمت انہیں عطا کر دیا۔"

(سورۃ الفتح ۴۸ رکوع ۲)

اس شعر کے دوسرے مصرعہ: "اگر ہو صلح تو رعنا غزال تاتاری" پر اسی روایت میں آگے مذکور ہے کہ:۔

"مسلمانوں کو جنگ پر آمادہ پا کر قریش نے حضور سے صلح کا معاہدہ کیا جسے "صلح حدیبیہ" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے جس میں ایک شرط یہ تھی کہ مکہ میں جو مسلمان باقی رہ گئے ہیں ان میں سے کسی کو اپنے ساتھ نہ لے جائیں"۔ ابھی صلح کی روشنائی خشک بھی نہ ہونے پائی تھی کہ حضرت ابو جندل مسلمانوں کے سامنے آکر گڑگڑانے لگے کہ صرف اسلام قبول کرنے کی سزا میں ان پر مظالم ڈھائے

جارہے ہیں مگر ابو جندل کو صلحنامہ کے شرط کے مطابق واپس ہونا پڑا جس پر حضرت عمرؓ نے رسول اللہ کو یہاں تک کہہ دیا کہ آپ اللہ کے سچے نبی ہیں۔ تو پھر ہم پر ذلت کیوں گوارا کریں۔ لیکن آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میں خدا کا پیغمبر ہوں اور اس کے حکم کی نافرمانی نہیں کر سکتا خدا میری مدد کرے گا اس صلحنامہ کی وجہ بنکر اتنے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا جتنا پہلے قبول نہ کیا تھا۔ اس پر قریش دو سال بعد پھر معاہدہ کے خلاف ڈٹ گئے اور جنگ کی جس کا نتیجہ فتح مکہ کی صورت میں ہوا۔"

جہاں تک دشمنوں سے صلح کرنے کی بات ہے خدا تعالیٰ کا حضورؐ کو ارشاد ہے:۔

"اور اے نبیؐ، اگر دشمن صلح و سلامتی کی طرف مائل ہوں تو تم بھی اس کے لئے آمادہ ہو جاؤ اور اللہ پر بھروسہ کرو۔ یقیناً وہی سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔"

(سورۃ الانفال ۸۔ رکوع ۸)

"اگر وہ (جو منافق دشمن سے جا ملیں یا لڑنا نہیں چاہتے) تم سے کنارہ کش ہو جائیں اور لڑنے سے باز رہیں اور تمہاری طرف صلح و آشتی کا ہاتھ بڑھائیں تو اللہ نے تمہارے لئے ان پر دست درازی کی کوئی سبیل نہیں رکھی ہے۔"

(سورۃ النساء ۴۔ رکوع ۱۲)

اس شعر کے دوسرے مصرعہ میں اقبال نے جن تصورات کا اظہار کیا ہے اسے دوسری جگہ یوں فرمایا ہے ؎

مسلمانوں کے دل میں ہے سلیقہ دلنوازی کا
مروّت حسنِ عالم گیر ہے مردانِ غازی کا (بالِ جبریل، غزل ۸)

اور پورے شعر پر دوسری جگہ یہ شعر بھی ملتا ہے۔

مصافِ زندگی میں سیرتِ فولاد پیدا کر
شبستانِ محبت میں حریر و پرنیاں ہو جا

(بانگ درا: "طلوع اسلام")

اس بند کے تیسرے شعر میں اقبال نے سوزِ عشق پیدا کرنے کی تلقین کی ہے جو حق و باطل کی جنگ میں، جس طرح ایک چنگاری سارے نیستاں کو پھونک کر خاک کا ڈھیر بنا دیتی ہے اسی طرح سارے باطل عقائد و گمراہی کو پھونک کر ایک نیا جہاں پیدا کیا جا سکتا ہے۔ انہی تصورات کا اظہار اقبال کے درج ذیل اشعار میں بھی ملتے ہیں:۔

یہ عقل و دل ہیں شرر شعلہ محبت کے
وہ خار و خس کیلئے ہے، یہ نیستاں کیلئے!

(بال جبریل "غزل ۲۶)

وہ چنگاری خس و خاشاک سے کس طرح دب جائے
جسے حق نے کیا ہو نیستاں کے واسطے پیدا

(بال جبریل: "غزل ۱)

شعلہ بن کر پھونک دے خاشاک غیر اللہ کو
خوف باطل کیا کہ ہے غارت گرِ باطل بھی تو

(بانگِ درا: "شمع اور شاعر")

پھونک ڈالے یہ زمین و آسمانِ مستعار
اور خاکستر سے آپ اپنا جہاں پیدا کرے

(بانگِ درا: "حضرِ راہ۔ زندگی")

تو بے بصر ہے تو یہ مانع نگاہ بھی ہے = وگرنہ آگ ہے مومن جہاں خس و خاشاک

(بال جبریل: "غزل ۴۸")

اس بند کے چوتھے شعر میں اقبال نے فقر کی فتوحات کی طرف اشارہ کیا ہے اور اس کی مثال حضرت علیؓ کے فقر سے دی ہے جن کا لقب حیدر اور کرّار تھا۔ فقر اقبال کے نزدیک ایک طرز زندگی ہے۔

اس بند کا پانچواں اور آخری شعر درج ذیل آیات پر مبنی ہے:۔

"جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے ان کے لئے دنیا کی زندگی بڑی محبوب و دل پسند بنا دی گئی ہے۔ ایسے لوگ ایمان کی راہ اختیار کرنے والوں کا مذاق اڑاتے ہیں مگر قیامت کے روز پرہیز گار لوگ ہی ان کے مقابلے میں عالی مقام ہوں گے۔"

(سورۃ البقرہ ۲۔ رکوع ۲۶)

بے کُلاہی کا سرمایہ کلہ داری قرار دئے جانے پر ایک مشہور روایت ہے کہ صلح حدیبیہ کے قبل جب جانبین میں جنگ کرنے اور نہ کرنے کی باتیں چل رہی تھی تو ایک مرتبہ عروہ بن مسعود کفار کی جانب سے کچھ پیغام لیکر آئے وہ اسوقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے عروہ نے عرض کیا: "اگر تم (محمدؐ) یہ چاہتے ہو کہ عرب کا بالکل خاتمہ کر دو تو یہ ممکن نہیں۔ میں تمہارے ساتھ اشراف کی جماعت نہیں دیکھتا۔ یہ اطراف کے کم ظرف لوگ تمہارے ساتھ ہیں مصیبت پڑنے پر سب بھاگ جائیں گے۔" اس پر مغیرہ بن شعبہ نے اس کے ہاتھ پر تلوار ماری۔

ان بے کلاہوں کو کم نگاہی سے نہ دیکھے جانے کے متعلق خدا کا ارشاد ہے کہ

"جو لوگ اپنے رب کو رات دن پکارتے ہیں، اس کی خوشنودی کی طلب میں لگے ہوئے ہیں انہیں اپنے سے دور نہ پھینکو۔ ان کے حساب میں کسی چیز کا بار تم پر نہیں ہے اور تمہارے حساب میں سے کسی چیز کا بار ان پر نہیں۔"

(سورۃ الانعام ۶۔ رکوع ۵)

✻✻✻

گیارہواں بند

جس کے پرتو سے منور رہی تیری شبِ دوش
پھر بھی ہو سکتا ہے روشن وہ چراغِ خاموش!
مردِ بے حوصلہ کرتا ہے زمانے کا گلہ
بندۂ حر کے لئے نشتر تقدیر ہے نوش!
نہیں ہنگامۂ پیکار کے لائق وہ جواں
جو ہو نالۂ مرغانِ سحر سے مدہوش!
مجھ کو ڈر ہے کہ ہے طفلانہ طبیعت تیری
اور عیّار ہیں یورپ کے شکم پارہ فروش!

اِس بند میں اقبال نے مسلمانوں کو جذبۂ جہاد کی تلقین کی ہے ۔ اس کا پہلا شعر درج ذیل آیات کا ترجمان ہے :۔

"اللہ نے وعدہ فرمایا ہے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ وہ ان کو اسی طرح زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو بنا چکا ہے ۔ ان کے لئے اس دین کو مضبوط بنیادوں پر قائم کر دے گا۔ جسے اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں پسند کیا ہے اور ان کی (موجودہ) حالتِ خوف کو امن میں بدل دے گا ۔ پس وہ میری بندگی کریں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں ۔

(سورۃ النور ۲۴ ۔ رکوع ۷)

"اور اے نبیؐ ، ان لوگوں سے کہدو کہ : تم عمل کرو ۔ اللہ اور اس کا رسول اور مومنین سب دیکھیں گے کہ تمہارا طرزِ عمل اب کیا رہتا ہے ۔ پھر تم اس کی طرف پلٹائے جاؤ گے ۔ جو کھلے اور چھپے سب کو جانتا ہے اور تمہیں بتا دے گا کہ تم کیا کرتے رہے ہو "۔

(سورۃ التوبہ ۹ ۔ رکوع ۱۳)

"ہر شخص جو کچھ کماتا ہے اس کا ذمہ دار وہ خود ہے ۔ کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتا "۔

(سورۃ الانعام ۶ ۔ رکوع ۲۰)

"ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے بھیجے ہوئے نبی اُمّی پر جو اللہ اور اس کے ارشادات کو جانتا ہے اور پیروی اختیار کرو اس کی ۔ امید ہے تم راہ راست پا لوگے "۔

(سورۃ الاعراف ۷ ۔ رکوع ۲۰)

اس بند کے دوسرے شعر میں اقبال نے یہ باور کرایا ہے کہ تقدیر کے معنی مجبوری اور بے چارگی نہیں کیوں کہ یہ ذہنیت خودی اور عزت نفس کے سراسر منافی ہے۔ اور ایسے خیالات روح کو مردہ اور جذبات کو افسردہ کر دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک تقدیر نام ہے یقین اور اختیار کا اور تقدیر کا فیصلہ اپنی ہمت پر موقوف ہے۔ خدا نے ہر انسان میں توفیق اور قوت ایک جیسی عطا کی ہے۔ اور ذرائع بھی کسی ایک کے ساتھ محدود اور معین نہیں رکھا۔ اب یہ انسان کا اپنا اپنا ظرف اور اپنا اپنا حوصلہ ہے کہ وہ اس قوت کو جتنا اور جس قدر چاہے استعمال کرے۔ اقبال کا یہ شعر قرآن کی بہت سی آیات پر مبنی ہے جن میں چند درج ذیل ہیں:۔

"مسلمانوں تمہیں مال و جان دونوں کی آزمائشیں پیش آکر رہیں گی اور تم اہل کتاب اور مشرکین سے بہت سی تکلیف دہ باتیں سنو گے۔ اگر ان سب حالات میں تم صبر اور خدا ترسی کی روش پر قائم رہو گے تو بڑے حوصلہ کا کام ہے۔"

(سورۃ آل عمران ۳۔ رکوع ۱۹)

"اللہ کسی متنفس پر اس کی مقدرت سے بڑھ کر ذمہ داری کا بوجھ نہیں ڈالتا۔"

(سورۃ البقرہ ۲۔ رکوع ۴)

"ہم کسی شخص کو اس کی مقدرت سے زیادہ تکلیف نہیں دیں گے۔"

(سورۃ المؤمنون ۲۳۔ رکوع ۴)

"اگر انہیں کوئی فائدہ پہنچتا ہے تو کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر کوئی نقصان پہنچتا ہے تو کہتے ہیں کہ اے نبی! یہ آپکی بدولت ہے کہو! سب کچھ اللہ ہی کیطرف سے ہے۔" (سورۃ النساء ۴ رکوع ۱۱)

"انسان کا حال یہ ہے کہ جب ہم اُسے اپنی رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو اس پر پھول جاتا ہے اور اگر اس کے اپنے ہاتھوں کا کیا دھرا کسی شکل میں اس پر الٹ پڑتا ہے تو سخت ناشکرا بن جاتا ہے"۔

(سورۃ الشوریٰ ۴۲۔ رکوع ۴)

"اور تمہارا کیا حال ہے کہ جب تم پر مصیبت آپڑی تو کہنے لگے: "یہ کہاں سے آپڑی؟" حالانکہ (جنگ بدر میں) اس سے دوگنی مصیبت تمہارے ہاتھوں (فریق مخالف پر) پڑ چکی ہے۔ اے نبی، ان سے کہو: "یہ مصیبت تمہاری اپنی لائی ہوئی ہے۔ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

(سورۃ آل عمران ۳۔ رکوع ۱۷)

"انسان کبھی بھلائی کی دعا مانگتے نہیں تھکتا اور جب کوئی آفت اس پر آجاتی ہے تو مایوس و دل شکستہ ہو جاتا ہے۔ مگر جیوں ہی سخت وقت گذر جانے کے بعد ہم اسے اپنی رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں۔ یہ کہتا ہے کہ: میں اس کا مستحق ہوں اور میں نہیں سمجھتا کہ قیامت کبھی آئے گی۔ لیکن اگر واقعی میں اپنے رب کی طرف پلٹایا گیا تو وہاں بھی مزے کروں گا۔" حالانکہ کفر کرنے والوں کو لازماً ہم بتا کر رہیں گے کہ وہ کیا کر کے آئے ہیں اور انہیں ہم بڑے گندے عذاب کا مزہ چکھائیں گے"۔

(سورۃ حٰمٓ السجدۃ ۴۱۔ رکوع ۶)

"وہی ہے جو لوگوں کے مایوس ہو جانے کے بعد مینہ برساتا ہے اور اپنی رحمت پھیلا دیتا ہے وہی قابل تعریف ولی ہے۔

(سورۃ الشوریٰ ۴۲۔ رکوع ۳)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو۔ اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ

تمہاری مدد کرے گا۔"

(سورۃ محمد، ۴۔ رکوع ۱)

"کوئی مصیبت ایسی نہیں ہے جو زمین میں یا تمہارے اپنے نفس پر نازل ہوتی ہو اور ہم نے اس کو پیدا کرنے سے پہلے ایک کتاب (یعنی نوشتۂ تقدیر) میں لکھ نہ رکھا ہو۔ ایسا کرنا اللہ کے لئے بہت آسان کام ہے (یہ سب کچھ اس لئے ہے) تاکہ جو کچھ بھی نقصان تمہیں ہو اس پر تم دل شکستہ نہ ہو اور جو کچھ اللہ تمہیں عطا فرمائے اس پر پھول نہ جاؤ۔"

(سورۃ الحدید ۵۷۔ رکوع ۳)

"ہم اچھے اور برے حالات میں ڈال کر تم سب کی آزمائش کر رہے ہیں آخر کار تمہیں ہماری ہی طرف پلٹنا ہے۔"

(سورۃ الانبیاء ۲۱۔ رکوع ۳)

"ان سے کہو: "ہمیں ہرگز کوئی (برائی یا بھلائی) نہیں پہنچتی مگر جو اللہ نے ہمارے لئے لکھ دی ہے اللہ ہی ہمارا مولا ہے اور اہل ایمان کو اسی پر بھروسہ کرنا چاہئے۔"

(سورۃ التوبہ ۹۔ رکوع ۷)

"انسان کا حال یہ ہے کہ جب ہم اس کو نعمت عطا کرتے ہیں تو وہ اینٹھتا اور پیٹھ موڑ لیتا ہے اور جب ذرا ایسی مصیبت سے دوچار ہوتا ہے تو مایوس ہونے لگتا ہے۔ اے نبیؐ ان لوگوں سے کہدو: "ہر ایک اپنے طریقے پر عمل کر رہا ہے۔ اب یہ تمہارا رب ہی جانتا ہے کہ سیدھی راہ پر کون ہے۔"

(سورۃ بنی اسرائیل، ۱۷۔ رکوع ۹)

"لوگوں کا حال یہ ہے کہ جب انہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اپنے

رب کی طرف رجوع کر کے اسے پکارتے ہیں پھر جب وہ کچھ اپنی رحمت کا ذائقہ انہیں چکھا دیتا ہے تو یکایک ان میں سے کچھ لوگ شرک کرنے لگتے ہیں تاکہ ہمارے کئے ہوئے احسان کی ناشکری کریں۔ اچھا، مزے کر لو۔ عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا۔"

(سورۃ الروم ۳۰۔ رکوع ۴)

اقبالؔ نے ایسے ہی خیالات کا اعادہ دوسری جگہوں میں بھی کیا ہے:۔

ہیں عُقدہ کشا خارِ صحرا
کم کرگلہ برہنہ پائی

("بالِ جبریل": غزل ۳۱)

اس کی خودی ہے ابھی شام و سحر میں اسیر
گردشِ دوراں کا ہے جس کی زباں پر گلہ!

("بالِ جبریل": غزل ۵۳)

(اس بند کے تیسرے شعر میں اقبال نے جوانوں کو سخت کوشی اور بیباکی کی تلقین کی ہے نہ کہ بلبل کے نغموں سے مدہوش ہو جانے کی۔ ایسا ہی طنز انہوں نے عام مسلمانوں پر بھی کیا ہے:۔

ترا اندیشہ افلاکی نہیں ہے
تری پرواز لولاکی نہیں ہے
یہ مانا اصل شاہینی ہے تیری
تری آنکھوں میں بیباکی نہیں ہے

("بالِ جبریل": رباعی)

بچۂ شاہیں سے کہتا تھا عقاب سال خوردہ
اے تیرے شہپر پہ آساں رفعتِ چرخِ بریں!

ہے شباب اپنے لہو کی آگ میں جلنے کا نام
سخت کوشی سے ہے تلخِ زندگانی انگبیں!

(بالِ جبریل: "نصیحت")

کر بلبل و طاؤس کی تقلید سے توبہ
بلبل فقط آواز ہے، طاؤس فقط رنگ!

(بالِ جبریل: غزل ۵۸)

اس بند کے چوتھے اور آخری شعر میں اقبال نے مغربی سامراجیوں کی مذموم چالوں سے خبردار کیا ہے جن کے تحت وہ مسلمانوں کو اسلام سے منحرف کر کے انہیں خدا سے بغاوت اور رسول اللہ کے "اُسوہ حسنہ" سے گریز کرا کے، اپنی مادہ پرستی کے سہانے خواب دکھاتے اور ان کی دینی روح کو فنا کر ڈالتے ہیں۔

بارہواں بند

لادینی و لاطینی! کس پیچ میں الجھا تو!
دارو ہے ضعیفوں کا لَاغَالِبُ الّاھُو
صیّادِ معانی کو یورپ سے ہے نومیدی
دلکش ہے فضا لیکن بے نافہ تمام آہو!
بے اشکِ سحرگاہی تقویم خودی مشکل
یہ لالۂ پیکانی خوشتر ہے کنارہ جو!
صیاد ہے کافر کا، نخچیر ہے مومن کا
یہ دیر کہن یعنی بت خانۂ رنگ و بو!
اے شیخ امیروں کو مسجد سے نکلوا دے
ہے ان کی نمازوں سے محراب ترش ابرو

اس بند کے پہلے شعر میں اقبال نے مصطفےٰ کمال پاشا کی لادینیت کی مذمت کی ہے اور اسی کے پیش نظر مسلمانوں کو آگے کے اشعار میں خودی کی تربیت کرنے اور اس دنیائے طلسمِ رنگ و بو کا، جو سراسر مادہ پرستی پر مبنی ہے جذبۂ ایمانی سے مقابلہ کرنے کی تلقین کی ہے۔

سلطنت عثمانیہ یعنی ترکی کا انیسویں صدی کے آخر میں یورپ والوں نے "یورپ کا مردِ بیمار" کا نام دے دیا تھا کیونکہ اس کی حالت دن بدن خراب ہی ہوتی جا رہی تھی۔ اس لئے اقبال نے اس شعر میں ترکوں کو "ضعیفوں" سے موسوم کیا ہے جب ۱۹۲۲ء میں مصطفےٰ کمال پاشا نے "اتحادیوں کو (جس میں برطانیہ اور یونان پیش پیش تھے) شکست دے کر کم از کم موجودہ ترکی کو مغربی سامراجیوں کے پنجے سے نجات دلادی اور خود ترکی کا حکمراں بن بیٹھا۔ تو اس نے بہت سی اصلاحات نافذ کیے، جن میں دین اسلام کے طریق عبادت میں بھی تبدیلی کی۔ بہت سے اسلامی اداروں کو یا تو بند کر دیا یا تو ان کو بے اثر بنا دیا۔ سبھی خانقاہوں میں تالہ بندی کر دی گئی اور ان کے متولیوں کو سڑک پر پھینک دیا گیا۔

مصطفےٰ کمال پاشا نے ترکی اور عربی رسم الخط کو ہٹا کر لاطینی رسم الخط جاری کیا، اور مسلمانوں کو اپنا نام بھی اسی رسم الخط میں لکھنے پر مجبور کیا۔ چنانچہ آج ترکی کے مسلمانوں کے ناموں کا صحیح تلفظ شاید ہی ہندوستان کا کوئی مسلمان کر سکتا ہے جیسے جمال کو Cemal اور عبدالحمید کو Abdul Hamit، خورشید کو Hoursheid لکھتے ہیں۔ جیسے کمال پاشا کے سوانح نگار اچ۔ سی۔ آرم سٹرانگ نے۔ Tower of Babel کہا ہے ملک بھر میں ناچ گانے کے کلب کھولے گئے۔ ترکی ٹوپی جسے اقبال نے نظم "خضرِ راہ" کی ذیلی نظم "دنیائے اسلام" میں "کلاہِ لالہ رنگ" کہا ہے، کا پہننا جرم قرار دیا گیا اور اس کی جگہ ہیٹ پہننا لازمی ہو گیا اور سارے ملک کے چوراہوں پر سپاہی ترکی ٹوپیاں ضبط کرتے پھرتے تھے۔

الغرض مصطفٰے کمال پاشا نے ترکی میں اسلام کا نام و نشان مٹانے کے لئے اور یورپی تہذیب و تمدّن پھیلانے کے لئے وہ سب کچھ کیا جو اسپین میں اسلامی حکومت ختم ہونے پر عیسائیوں نے کیا تھا۔ خلافت، جو حضرت ابو بکر سے شروع ہوئی اور ۱۹۲۲ء تک اس کا سلسلہ ترکی خلیفوں تک رہا، اسے ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا گیا۔ مہاتما گاندھی نے ہندوستانی مسلمانوں کی خلافت سے اسی جذباتی تعلق کو دیکھ کر ملک گیر خلافت تحریک چلائی۔ یہاں سے بہت سے وفود مصطفٰے کمال پاشا کے پاس خلافت کو پھر سے بحال کرنے کی ترغیب دینے کے لئے بھیجے گئے مگر ٹکا سا جواب لے کر آئے۔ یہ خلافت کمیٹی آج بھی قائم ہے جس کا مرکزی دفتر بمبئی میں ہے۔ اقبال نے اس صورتِ حال پر، یہ آنسو بہایا کہ ؎

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر اُستوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

(بانگِ درا: "دنیائے اسلام")

کمال پاشا کی لادینیت کی تفصیل ان کے سوانح نگار ایچ۔ سی۔ آرم اسٹرانگ نے ان کی سوانح عمری موسوم بہ The Grey Wolf میں دی ہے جو ۱۹۳۷ء میں پنگوئن بکس میں، کمال پاشا کی زندگی میں شائع ہوئی اقبال نے اس لادینیت کی وجہ مصطفٰے کمال پاشا میں صرف خودی نمود نہ ہونی بتائی ہے۔ کہتے ہیں ؎

نہ مصطفٰے نہ رضا شاہ میں نمود اس کی
کہ روحِ شرق بدن کی تلاش میں ہے

(ضربِ کلیم: "مشرق")

اقبال نے اس بند کے پہلے شعر کے دوسرے مصرعہ میں مصطفٰے کمال کو (جو اس زمانہ میں زندہ تھے) صلاح دی کہ یورپ کی خیر خواہی لوٹنے کے لئے تم نے سیکولرزم بمعنی لادینیت کو اپنایا مگر اسے اپنا کر تو خود تو پیچ میں الجھ گیا ہے کیوں کہ "

"ضعیفوں کا دارو غیر اسلامی طرز فکر اور طرز زندگی میں مضمر نہیں بلکہ اسلام کے راستے پر گامزن ہونے میں ہے کیوں کہ خدا کا یہ ارشاد ہے کہ" تم ہی غالب رہو گے بشرطیکہ تم مومن ہو" اس مصرعہ میں لَاغَالِبَ اِلَّا ھُوْ کہہ کر اقبال نے کمال پاشا کو اور ایسے "مصلح قوم" کو درج ذیل آیات کی یاد دلائی ہے:۔

"اللہ کو وہ لوگ پسند ہیں جو اسی کے بھروسے پر کام کرتے ہیں اللہ تمہاری مدد پر ہو تو کوئی طاقت تم پر غالب آنے والی نہیں اور وہ تمہیں چھوڑ دے تو اس کے بعد کون ہے جو تمہاری مدد کر سکتا ہو۔ پس جو سچے مومن ہیں ان کی اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیئے"

(سورۃ آل عمران ۳۔ رکوع ۱۷)

"وہ (اللہ) تمہیں جس بات سے روکتا ہے وہ تو یہ ہے کہ تم ان گوں سے دوستی کرو جنہوں نے تم سے دین کے معاملہ میں جنگ کی ہے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا ہے اور تمہارے اخراج میں ایک دوسرے مدد کی ہے۔ ان سے جو لوگ دوستی کریں وہی ظالم ہیں"

(سورۃ الممتحنہ ۶۰۔ رکوع ۲)

"تمہارے رفیق تو حقیقت میں صرف اللہ اور اللہ کا رسول اور وہ اہل ایمان ہیں۔ جو نماز قائم کرتے ہیں۔ زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ کے آگے جھکنے والے ہیں۔ اور جو اللہ اور اس کے رسول اور اہل ایمان کو اپنا رفیق بنالے اسے معلوم ہو کہ اللہ کی جماعت ہی غالب رہنے والی ہے۔

(سورۃ المائدۃ ۵ رکوع ۸)

"اللہ نے لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول ہی غالب ہو کر رہیں گے۔"

(سورۃ المجادلہ ۵۸۔ رکوع ۳)

"جو لوگ ایمان کو چھوڑ کر کفر کو کے خریدار بنتے ہیں وہ یقیناً اللہ کا کوئی نقصان نہیں کر رہے ہیں۔ ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔"

(سورۃ آل عمران ۳ رکوع ۱۸)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تم اللہ کی اطاعت کرو اور رسولؐ کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو برباد نہ کرو۔ کفر کرنے والوں اور راہ خدا سے روکنے والوں اور مرتے دم تک کفر میں جمع رہنے والو کو اللہ ہرگز معاف نہیں کرے گا۔ پس تم بودے نہ ہو اور صلح کی درخواست نہ کرو۔ تم ہی غالب رہنے والے ہو"۔

(سورۃ محمد ۴۷۔ رکو ۴)

"دل شکستہ نہ ہو، غم نہ کرو، تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن بنو۔"

(سورۃ آل عمران ۳۔ رکوع ۱۴)

یہ بھی اتفاق ہے کہ اقبال اور مصطفےٰ کمال پاشا ہی دونوں کا انتقال ۱۹۳۸ء میں ہوا۔

اس بند کے دوسرے شعر میں بھی اقبال نے مصطفےٰ کمال پاشا ہی کا ذکر کیا ہے اور مسلمانوں کو یہ باور کرایا ہے کہ یورپی طرزِ فکر اور طرزِ زندگی کی فضا مزدور دلکش ہے مگر اس میں روحانیت عنقا ہے کیونکہ ان کی بنیاد ہی مادہ پرستی پر ہے۔ اس دلکش فضا میں آہو تو ضرور ہیں مگر "نافہ" جس پر آہو کی قدر و قیمت منحصر ہے وہ ناپید ہے۔ روحانیت اور مادیت کے فرق کو اقبال دوسرے جگہ واضح کرتے ہیں کہ ؎

اک فقر سکھاتا ہے صیاد کو نخچیری!
اک فقر سے کھلتے ہیں اسرار جہانگیری!

(بالِ جبریل: "فقر")

اس بند کے تیسرے شعر میں اقبال نے خودی کو "لالۂ پیکانی" سے تشبیہ دی ہے۔ لالہ کی صفت یہ ہے کہ غنچہ کی حالت میں اس کی شکل پیکاں یعنی تیر کے نوک کی طرح رہتی ہے اور اس کی شگفتگی کے لئے آبِ جو کا ہونا ضروری ہے۔ آبِ جو سے اقبال کی مراد عارف کی صحبت ہے جہاں لالہ یعنی مومن کی خودی تربیت پاکر مرتبۂ کمال کو پہنچتی ہے انہی تصورات کو اقبال نے "بالِ جبریل" کی ایک رباعی اس طرح ذہن نشیں کرایا ہے:۔

دمِ عارف نسیمِ صبحدم ہے
اسی سے ریشۂ معنیٰ میں نم ہے
اگر کوئی شعیبؑ آئے میسّر
شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

موجودہ صورت حال میں آبِ جو سے مراد اتباعِ رسولؐ ہے۔ کیونکہ خودی کی تقویم یعنی تربیت اور اس کا استحکام صرف عشقِ رسول میں مضمر ہے۔ عشق کا تقاضہ ہے کہ عاشق اپنے محبوب کی یاد اور اس کی چاہت میں آنسو بہائے اور اقبال نے عشق کی اسی کیفیت کو "اشکِ سحر گاہی" کا نام دیا ہے۔ اقبال نے سحر گاہی کی اصطلاح عشق کی شدید ترین کیفیات کے اظہار کے لئے دوسرے مقامات پر بھی استعمال کیا ہے:۔

عطّار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی
کچھ ہاتھ نہیں آتا، بے آہِ سحر گاہی!

("بالِ جبریل": غزل ۳۴)

کبھی حیرت، کبھی مستی، کبھی آہِ سحر گاہی
بدلتا ہے ہزاروں رنگ میرا دردِ مہجوری!

("بالِ جبریل": غزل ۳۸)

میں نے پایا ہے اسے اشکِ سحر گاہی میں!
جس دُرِ ناب سے خالی ہے صدف کی آغوش

("بالِ جبریل": غزل ۵۶)

اس بند کے چوتھے شعر میں اقبال نے اس "بتخانۂ رنگ و بو" میں کافر اور مومن کے طرزِ فکر اور طرزِ عمل کے فرق کی وضاحت کی ہے۔ کافر اس بتخانۂ رنگ و بو کے طلسم میں روحانیت کے فقدان کی وجہ کر دام میں گرفتار ہو جاتا ہے جب کہ انھیں حالات میں وہی بت ایک مومن کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیتے ہیں۔

اس بند کے پانچویں اور آخری شعر میں اقبال کی جھنجھلاہٹ شعر سے ظاہر ہے اور جو کچھ انہوں نے اس شعر میں کہا اس سے ان کی اخلاقی جرأت کا پتہ چلتا ہے کیوں کہ اپنے کلام کے متعلق ان کا نظریہ تو یہ تھا کہ :-

کہتا ہوں وہی بات سمجھتا ہوں جسے حق
نے ابلۂ مسجد ہوں، نہ تہذیب کا فرزند
اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں بیگانے بھی ناخوش
میں زہرِ ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

("بالِ جبریل" :- غزل ۱۶)

اقبال نے اس بند کے اِس شعر میں جو کچھ کہا ہے اس کا جواز درجِ ذیل آیات میں ملتا ہے :-

"دردناک سزا کی خوشخبری دے دو ان کو جو سونے اور چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور انہیں خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔ ایک دن آئے گا کہ اسی سونے چاندی پر جہنم کی آگ دہکائی جائے گی اور پھر اسی سے ان لوگوں کی پیشانیوں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا۔ یہ ہے وہ خزانہ جو تم نے اپنے لئے جمع کیا تھا۔ لو اب سمیٹی ہوئی دولت کا مزہ چکھو۔"

(سورۃ التوبہ ۹۔ رکوع ۵)

ان سے کہو: تم اپنے مال خواہ راضی خوشی خرچ کرو یا بہ کراہت بہر

حال وہ قبول نہ کئے جائیں گے کیوں کہ تم فاسق ہو۔ ان کے دیئے ہوئے مال قبول نہ ہونے کی وجہ اس کے سوا نہیں ہے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے کفر کیا ہے۔ نماز کے لئے آتے ہیں تو کسمسائے ہوئے آتے ہیں۔ راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں تو بادل ناخواستہ خرچ کرتے ہیں ان کی مال و دولت اور ان کی کثرتِ اولاد کو دیکھ کر دھوکہ نہ کھاؤ۔ اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ انہی چیزوں کے ذریعے سے ان کو دنیا کی زندگی میں بھی مبتلائے عذاب کرے اور یہ جان بھی دیں تو انکار حق ہی کی حالت میں دیں۔"

(سورۃ التوبہ ۹۔ رکوع ۷)

"تم نیکی کو نہیں پہنچ سکتے جب تک کہ اپنی وہ چیزیں (خدا کی راہ میں) خرچ نہ کرو جنھیں تم عزیز رکھتے ہو اور جو کچھ تم خرچ کرو گے اللہ اس سے بے خبر نہ ہوگا۔"

(سورۃ آل عمران ۳۔ رکوع ۱۰)

"حقیقت یہ ہے کہ انسان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے اور وہ خود اس پر گواہ ہے اور وہ مال و دولت کی محبت میں بری طرح مبتلا ہے۔ تو کیا وہ اس وقت کو نہیں جانتا جب قبروں میں جو کچھ مدفون ہے اسے نکال لیا جائے گا اور سینوں میں جو کچھ (مخفی) ہے اسے برآمد کر کے اس کی جانچ پرتال کی جائے گی۔ یقیناً ان کا رب اس روز ان سے خوب باخبر ہوگا۔"

(سورۃ العدیت ۱۰۰۔ رکوع ۱)

تیرہواں بند

جُھکو تو یہ دنیا نظر آتی ہے دگرگوں
معلوم نہیں دیکھتی ہے تیری نظر کیا
ہر سینے میں اک صبح قیامت ہے نمودار
افکار جوانوں کے ہوئے زیر و زبر کیا!
کر سکتی ہے بے معرکہ جینے کی تلافی
اے پیرِ حرم، تیری مناجات سحر کیا؟
ممکن نہیں تخلیقِ خودی خانقاہوں سے
اس شعلۂ نم خوردہ سے ٹوٹے گا شرر کیا!

اس بند میں اقبالؔ نے عالم اسلام کی غلامی اور مسلمانوں کے بے حسی پر آنسو بہایا ہے جب کہ ساری دنیا میں ہر طرف انقلاب برپا ہوتا چلا جا رہا ہے اِن انقلابات کا اثر مسلمانوں پر ذرہ برابر بھی نہیں۔ اس لئے کہ وہ اپنی خودی کی تخلیق نہ کر سکے اور جہاد کا جذبہ خودی کی تخلیق کی وجہ بنکر پیدا ہوتا ہے۔ اس بے حسی اور بے عملی کا ذمہ دار اقبالؔ نے پیر حرم اور خانقاہوں کو ٹھہرایا ہے جو دین کا درس و تعلیم تو دیتے ہیں مگر صرف اس کے خارجی اثرات سے تعلق رکھتے ہیں۔ نہ کہ انسان کو اندر سے بدلنے کی کوشش۔ اقبالؔ جب صوفی، پیر حرم اور خانقاہوں کو اپنے طنز کا نشانہ بناتے ہیں تو اس سے ان کی مراد تضحیک نہیں بلکہ جیسا وہ خود کہتے ہیں۔

فقیہہ شہر کی تحقیر! کیا مجال مری
مگر یہ بات کہ میں ڈھونڈتا ہوں دل کی کشاد
کئے ہیں فاش رموزِ قلندری میں نے
کہ فکرِ مدرسہ و خانقاہ ہو آزاد!

(بال جبریل : غزل ۵۰)

مُلّائے حرم کو اور بھی واضح طور پر یوں مخاطب کیا ہے :۔

عجب نہیں کہ خدا تک تری رسائی ہو
تری نگہ سے ہے پوشیدہ آدمی کا مقام
تری نماز میں باقی جلال ہے نہ جمال
تری اذاں میں نہیں ہے میری سحر کا پیام!

(ضربِ کلیم : "مُلّائے حرم")

ان طنزوں سے اقبال کی مراد یہ ہے کہ دین کے لئے غیرت ان صوفیوں اور پیرانِ حرم سے اوجھل ہو گئی ہے اور ان کا عمل دین کے دائرہ کار سے باہر چلا گیا ہے اور اسی لئے زندگی کے حرکی مزاج سے ناآشنائی اور ایک طرح کی قنوطیت مسلمانوں پر غالب

آگئی ہے۔ ان کا طنز اصل اس رہبی پر ہے جو حرم کی فکر کے خلاف ایک مجہول کیفیت پیدا کرتی ہے۔ وہ ان سے ملتجی ہیں کہ۔

اے پیرِ حرم، رسم و رہِ خانقہی چھوڑ
مقصود سمجھ میری نوائے سحری کا
اللہ رکھے تیرے جوانوں کو سلامت
دے ان کو سبق خود شکنی، خود نگری کا
تو اِن کو سکھا خارہ شگافی کے طریقے
مغرب نے سکھایا انہیں فن شیشہ گری کا
دل توڑ گئی ان کا دو صدیوں کی غلامی
دارو کوئی سوچ ان کی پریشاں نظری کا
کہہ جاتا ہوں میں زورِ جنوں تیرے اسرار
مجھ کو بھی صلہ دے مری آشفتہ سری کا

(ضربِ کلیم: "اے پیرِ حرم")

یہ ضرور ہے کہ وعظ و ارشاد، تبلیغ و تذکیر، تعلیم اور تزکیہ کے عنوانات سے عظیم الشان مساجد، مدارس اور خانقاہوں کے اداروں کے تحت ہوتی رہی ہیں اور آج بھی علما و صوفیا اور اصحاب درس کام کر رہے ہیں لیکن جب اقبال نے لوگوں کے دلوں پر ہاتھ رکھا تو پایا کہ نہ تو اس حدِ مطلوب تک افراد کا تزکیہ ہو سکا ہے اور نہ معاشرہ کی اصلاح۔ اس کی وجہ انہیں صرف یہ نظر آئی کہ طرزِ فکر و نقشۂ افکار اور نظریۂ انقلاب میں نمایاں کمی ہے اور وہ یہ کہ قیادت کی تبدیلی کے لئے سیاسی کشمکش کے بغیر افراد کو نظامِ تمدن سے منقطع کر کے دعوت کا مخاطب بنایا جا رہا ہے۔ انسان کو جیوں کا تیوں رکھ کر صرف خارجی نظام کو بدلنے کی تدبیریں کی جا رہی ہیں۔ جو حقیقی مسائل حیات کو حل کرنے کے لحاظ سے اقبال کو رائیگاں نظر آئی۔ کیونکہ یہ انسان کو اندر سے

نہ بدل سکا :۔

اس بند کے مجموعی موضوع پر اقبالؔ کے چند تیکھے نشتر درج ذیل ہیں جو ان کے متذکرہ بالا تصوّرات کے ترجمان ہیں :۔

اب حُجرۂ صوفی میں وہ فقر نہیں باقی
خونِ دلِ شیراں ہو جس فقر کی دستاویز!

("بالِ جبریلؔ" : غزل ۲)

اٹھا میں مدرسہ و خانقاہ سے غمناک!
نہ زندگی، نہ محبت، نہ معرفت، نہ نگاہ!

("بالِ جبریلؔ" : غزل ۲۳)

پیرِ حرم کو دیکھا ہے میں نے
کردار بے سوز! گفتار واہی!

("بالِ جبریلؔ" غزل ۳۰)

رہا نہ حلقۂ صوفی میں سوزِ مشتاقی
فسانہ ہائے کرامات رہ گئے باقی!

("بالِ جبریلؔ" : غزل ۴۵)

تھا جہاں مدرسۂ شیری و شہنشاہی
آج ان خانقاہوں میں ہے فقط روباہی

("بالِ جبریلؔ" : غزل ۵۷)

چودھواں بند

بے جُرأتِ رندانہ ہر عشق ہے روباہی
بازو ہے قوی جس کا وہ عشق یدُ اللّٰہی!
جو سختیٔ منزل کو سامانِ سفر سمجھے
اے وائے تن آسانی! ناپید ہے وہ راہی
وحشت نہ سمجھ اس کو اے مردِ کہستانی
کہسار کی خلوت ہے تعلیمِ خود آگاہی!
دنیا ہے روایاتی، عقبےٰ ہے مناجاتی
در بازدو عالم را ایں است شہنشاہی

اس بند میں اقبالؔ نے عشق کی صفات، جہاد فی سبیل اللہ کی مشکلات، تعلیم خود آگاہی، دنیا کی بے ثباتی اور سطوت غالب کی ابدیت کے نکتوں پر روشنی ڈالی ہے۔ اس بند کے پہلے شعر میں اقبالؔ نے جرأتِ رندانہ اور یداللہی کی اصطلاحات استعمال کی ہیں جو ان کے کلام میں بار بار اس لئے آتے ہیں کیوں کہ اگر عشق میں "جرأتِ رندانہ" ہے تو ہر معرکہ میں وہ "یداللہ" بن جاتی ہے۔ "جرأت رندانہ" سے اقبال کی مراد وہ عشق ہے جو نتائج سے بے پرواہو۔ اس اصطلاح کا جواز قرآن کی درج ذیل آیات سے فراہم ہوتا ہے:۔

"جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوئے انہیں مردہ نہ سمجھو۔ وہ حقیقت میں زندہ ہیں اور اپنے رب کے پاس رزق پا رہے ہیں جو کچھ اللہ نے اپنے فضل سے انہیں دیا ہے اس پر خوش و خرم ہیں اور مطمئن ہیں کہ جو اہل ایمان ان کے پیچھے دنیا میں رہ گئے ہیں۔ اور ابھی وہاں نہیں پہنچے ہیں ان کے لئے بھی کسی خوف و رنج کا موقع نہیں ہے وہ اللہ کے انعام اور اس کے فضل پر شاداں و فرحاں ہیں اور ان کو معلوم ہو چکا ہے کہ اللہ مومنوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔"

(سورۃ آل عمران ۳۔ رکوع ۱۷)

اس پہلے شعر کے پہلے مصرعہ میں درج ذیل آیات کی ترجمانی کی گئی ہے:۔

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، کافروں کی سی باتیں نہ کرو جن کے عزیز و اقارب اگر کبھی سفر پر جاتے ہیں یا جنگ میں شریک ہوتے ہیں (اور وہاں کسی حادثہ سے دوچار ہو جاتے ہیں) تو وہ کہتے ہیں کہ اگر وہ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مارے جاتے نہ قتل ہوتے۔ اللہ اس قسم کی باتوں کو ان کے دلوں میں حسرت داند وہ کا سبب بنا دیتا ہے ورنہ دراصل مارنے اور جلانے والا تو اللہ ہی ہے اور تمہاری تمام حرکات پر وہی نگراں ہے۔ اگر تم

اللہ کی راہ میں مارے جاؤ تو اللہ کی جو رحمت اور بخشش تمہارے حصہ میں آئے گی وہ ان ساری چیزوں سے زیادہ بہتر ہے جنھیں یہ لوگ جمع کرتے ہیں اور خواہ تم مرو یا مارے جاؤ بہر حال تم سب کو سمٹ کر جانا اللہ ہی کی طرف ہے"

سورۃ آل عمران ۳ - رکوع ۷

"یداللہی" کی اصطلاح ترجمان ہے درج ذیل آیات کی جن میں "جرأتِ رندانہ" زادف ہے "عشق یداللہی" کے :-

"اور یاد کرو وہ موقع جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے۔ جواب میں اس نے فرمایا کہ: "میں تمہاری مدد کے لئے پے در پے ایک ہزار فرشتے بھیج رہا ہوں" یہ بات اللہ نے تمہیں صرف اس لئے بتادی کہ تمہیں خوش خبری ہو اور تمہارے دل اس سے مطمئن ہو جائیں ورنہ مدد تو جب بھی ہوتی ہے اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے یقیناً اللہ زبردست اور دانا ہے"۔

(سورۃ الانفال ۸ - رکوع ۱)

"اور (یاد کرو) وہ وقت جب کہ تمہارا رب فرشتوں کو اشارہ کر رہا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ تم اہل ایمان کو ثابت قدم رکھو۔ میں ابھی ان کافروں کے دلوں میں رعب ڈالے دیتا ہوں۔ پس تم ان کی گردنوں پر ضرب اور جوڑ جوڑ پر چوٹ لگاؤ"

(سورۃ الانفال ۸ - رکوع ۲)

"پس حقیقت یہ ہے کہ (جنگ بدر میں) تم نے انہیں قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے ان کو قتل کیا اور اے نبیؐ، تم نے نہیں پھینکا بلکہ اللہ نے پھینکا (اور مومنوں کے ہاتھ جو اس میں استعمال کئے

گئے) تو یہ اس لئے تھا کہ اللہ مومنوں کو ایک بہترین آزمائش سے کامیابی کے ساتھ گذار دے۔ یقیناً اللہ سننے اور جاننے والا ہے"

(سورۃ الانفال ۸۔ رکوع ۲)

"وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے جب کہ منکرین حق تیرے (نبی کے) خلاف تدبیریں سوچ رہے تھے کہ تجھے قید کر دیں یا قتل کر دیں یا جلاوطن کر دیں۔ وہ اپنی چالیں چل رہے تھے اور اللہ اپنی چال چل رہا تھا۔ اللہ سب سے بہتر چال چلنے والا ہے"۔

(سورۃ الانفال ۸۔ رکوع ۴)

"یاد کرو وہ وقت جب کہ تم وادی کے اس جانب تھے اور دوسری جانب پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے اور قافلہ تم سے نیچے (ساحل) کی طرف تھا۔ اگر کہیں پہلے سے تمہارے اور ان کے درمیان مقابلہ کی قرار ہو چکی ہوتی تو تم ضرور اس موقع پر پہلو تہی کر جاتے لیکن جو کچھ پیش آیا وہ اس لئے تھا کہ جس بات کا فیصلہ اللہ کر چکا تھا اسے ظہور میں لے آئے تاکہ جسے ہلاک ہونا ہے وہ اپنی دلیل روشن کیساتھ ہلاک ہو۔ اور جسے زندہ رہنا ہے وہ دلیل روشن کے ساتھ زندہ رہے یقیناً خدا سننے اور جاننے والا ہے"۔

(سورۃ الانفال ۸۔ رکوع ۵)

"اور یاد کرو جب کہ مقابلہ کے وقت خدا نے تم لوگوں کی نگاہوں میں دشمنوں کو تھوڑا دکھایا اور ان کی نگاہوں میں تمہیں کم کر کے پیش کیا تاکہ جو بات ہو ئی تھی اسے اللہ ظہور میں لے آئے اور آخر کار سارے معاملات اللہ ہی کی طرف رجوع ہوتے ہیں"۔

(سورۃ الانفال ۸۔ رکوع ۵)

"ذرا خیال کرو اس وقت کا جب کہ شیطان نے ان لوگوں کے کرتوت ان کی نگاہوں میں خوشنما بنا کر دکھائے تھے اور ان سے کہا تھا کہ آج کوئی تم پر غالب نہیں آسکتا اور یہ کہ میں تمہارے ساتھ ہوں مگر جب دونوں گروہوں کا سامنا ہوا تو وہ الٹے پاؤں پھر گیا اور کہنے لگا کہ میرا تمہارا ساتھ نہیں ہے۔ میں وہ کچھ دیکھ رہا ہوں جو تم لوگ نہیں دیکھتے۔ مجھے خدا سے ڈر لگتا ہے اور خدا سخت عذاب دینے والا ہے"

(سورۃ الانفال ۸۔ رکوع ۶)

"یاد کرو جب تم سے دو گروہ بزدلی دکھانے پر آمادہ ہو گئے تھے۔ حالانکہ اللہ ان کی مدد پر موجود تھا اور مومنوں کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیئے آخر اس سے پہلے جنگ بدر میں اللہ تمہاری مدد کر چکا تھا حالانکہ اس وقت تم بہت کمزور تھے لہٰذا تم کو چاہیئے کہ اللہ کی ناشکری سے بچو۔ امید ہے کہ اب تم شکر گذار ہو گے۔۔۔ فتح و نصرت جو بھی ہے اللہ کی طرف سے ہے اور جو بڑی قوت والا اور دانا و بینا ہے (اور یہ مدد وہ تمہیں اس لئے دے گا تاکہ کفر کی راہ چلنے والوں کا ایک بازو کاٹ لے۔ یا ان کو ایسی ذلیل شکست دے کہ وہ نامرادی کے ساتھ پسپا ہو جائیں"۔

(سورۃ آل عمران ۳۔ رکوع ۱۳)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، یاد کرو اللہ کے احسان کو جو (ابھی ابھی) اس نے تم پر کیا ہے (غزوۂ احزاب اور غزوہ بنی قریظہ) جب لشکر تم پر چڑھ آئے تھے تو ہم نے ان پر ایک سخت آندھی بھیجدی اور ایسی فوجیں روانہ کیں جو تم کو نظر نہ آتی تھیں۔ اللہ وہ سب کچھ دیکھ رہا تھا جو تم لوگ اس وقت کر رہے تھے جب دشمن اوپر

سے اور نیچے سے تم پر چڑھ آئے۔ جب خوف کے مارے آنکھیں پتھرا گئیں۔ کلیجے منہ کو آ گئے اور تم لوگ اللہ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگے اس وقت ایمان لانے والے خوب آزمائے گئے اور بری طرح ہلا مارے گئے۔

(سورۃ الاحزاب ۳۳۔ رکوع ۲)

"تم نے دیکھا نہیں کہ تمہارے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا؟ کیا اس نے ان کی تدبیر کو اکارت نہیں کر دیا؟ اور ان پر پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ بھیج دیئے جو ان کے اوپر پکی ہوئی مٹی کے پتھر پھینک رہے تھے۔ پھر ان کا حال یہ کر دیا جیسے (جانوروں کا) کھایا ہوا بھوسہ۔"

(سورۃ الفیل ۱۰۵۔ رکوع ۱)

"تم نے اگر نبیؐ کی مدد نہ کی تو کچھ پروا نہیں۔ اللہ اس کی مدد اُس وقت کر چکا ہے جب کافروں نے اسے نکال دیا تھا۔ جب وہ صرف دو (رسول اللہؐ اور حضرت ابو بکرؓ) میں کا دوسرا تھا جب وہ دونوں غار میں تھے۔ جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا: "غم نہ کر، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔"

(سورۃ التوبہ ۹۔ رکوع ۴)

"یقیناً اللہ مدافعت کرتا ہے ان لوگوں کی طرف سے جو ایمان لائے ہیں۔ اللہ کسی خائن کافرِ نعمت کو پسند نہیں کرتا۔ اللہ ضرور ان کی مدد کرے گا جو اس کی مدد کریں گے۔"

(سورۃ الحج ۲۲۔ رکوع ۵۔ اور ۶)

اب اسی شعر کے لفظ "روباہی" پر چند آیات درج ذیل ہیں:۔

"اے نبیؐ، اگر فائدہ سہل الحصول ہوتا تو تبوک کا اور سفر ہلکا ہوتا تو وہ ضرور تمہارے پیچھے چلنے پر آمادہ ہو جاتے۔ مگر ان پر تو یہ راستہ بہت کٹھن ہو گیا۔ اب وہ خدا کی قسم کھا کھا کر کہیں گے کہ: اگر ہم چل سکتے تو یقیناً تمہارے ساتھ چلتے"۔ وہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال رہے ہیں۔ اللہ خوب جانتا ہے کہ وہ جھوٹے ہیں"۔

(سورۃ التوبہ ۹۔ رکوع ۶)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تمہیں کیا ہو گیا کہ جب تم سے اللہ کی راہ میں (غزوۂ تبوک کے موقع پر) نکلنے کے لئے کہا گیا تو تم زمین سے چمٹ کر رہ گئے؟ کیا تم نے آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی زندگی کو پسند کر لیا؟ ایسا ہے تو تمہیں معلوم ہو کہ دنیوی زندگی کا یہ سب سر و سامان آخرت میں بہت تھوڑا نکلے گا۔ تم نہ اٹھو گے تو خدا تمہیں دردناک سزا دے گا اور تمہاری جگہ کسی اور گروہ کو اٹھائے گا اور تم خدا کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکو گے۔ وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے"۔

(سورۃ التوبہ ۹۔ رکوع ۶)

"وہ خدا کی قسم کھا کھا کر کہتے ہیں کہ ہم تمہیں میں سے ہیں۔ حالانکہ وہ ہرگز تم میں سے نہیں ہیں۔ اصل میں تو وہ ایسے لوگ ہیں جو تم سے خوف زدہ ہیں۔ اگر وہ کوئی جائے پناہ پالیں یا کوئی کھوہ یا گھس بیٹھنے کی جگہ ہو تو بھاگ کر اس میں جا چھپیں"۔

(سورۃ التوبہ ۹۔ رکوع ۷)

"جن لوگوں کو پیچھے رہ جانے کی اجازت دی گئی تھی وہ اللہ کے رسول کا ساتھ نہ دینے اور گھر بیٹھے رہنے پر خوش ہوئے اور انہیں

گوارہ نہ ہوا کہ اللہ کی راہ میں جان و مال سے جہاد کریں۔ انہوں
نے لوگوں سے کہا کہ: "سخت گرمی میں نہ نکلو۔ ان سے کہو کہ:
جہنم کی آگ اس سے زیادہ گرم ہے۔ کاش انہیں اس کا شعور
ہوتا۔ اب چاہئے کہ لوگ ہنسا کم کریں اور روئیں زیادہ۔
(سورۃ التوبہ ۹۔ رکوع ۱۱)

انہی قرآنی آیات پر مبنی "جرأت رندانہ" عشق یداللہی" اور "روباہی
پر اقبال نے دوسری جگہوں میں کہا ہے:۔

دارا و سکندر سے وہ مردِ فقیر اولیٰ
ہو جس کی فقیری میں بوئے اسد اللہی!
آئینِ جوانمرداں حق گوئی و بیباکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی!

("بال جبریل": غزل ۳۴)

یا عقل کی روباہی، یا عشق یداللہی
یا حیلۂ افرنگی، یا حملۂ ترکانہ!
پیری میں، فقیری میں، شاہی میں غلامی میں
کچھ کام نہیں بنتا بے جرأت رندانہ!

("بال جبریل": غزل ۴۷)

اس بند کے دوسرے شعر میں اقبال نے مسلمانوں کو اپنی ساکن اور
جامد حالات پر آنسو بہانے کی بجائے اس میں حرکت کی لہر پیدا کرنے پر زور دیا ہے
اور انہیں خودی کے حصول کے لئے ایک لمبا سفر اختیار کرنے کی ترغیب دی ہے۔
خواہ اس سفر میں جو بھی مشکلات راہ میں آئیں۔ یہ سفر صرف خارجی سطح پر ہی نہیں بلکہ
داخلی اور روحانی سطحوں پر بھی اہمیت کا حامل ہے۔ اس سفر پر اقبال کے تصوّرات

درج ذیل آیات کے ترجمان ہیں :—

"ہم ضرور تمہیں خوف و خطر، فاقہ کشی، جان و مال کے نقصانات اور آمدنیوں کے گھاٹے میں مبتلا کر کے تمہاری آزمائش کریں گے۔ ان حالات میں جو لوگ صبر کریں اور جب کوئی مصیبت پڑے تو کہیں کہ: "ہم اللہ ہی کے ہیں اور اللہ ہی کی طرف ہمیں پلٹ کر جانا ہے۔ انہیں خوش خبری دے دو۔ اُن پر ان کے رب کی طرف سے بڑی عنایات ہو گی۔ اس کی رحمت تو ان پر سایہ کرے گی اور ایسے ہی لوگ راہ راست پر ہیں"۔

(سورۃ البقرہ ۲۔ رکوع ۱۹)

"مسلمانوں میں سے وہ لوگ جو کسی معذوری کے بغیر گھر بیٹھے رہتے ہیں اور جو اللہ کی راہ میں جان و مال سے جہاد کرتے ہیں تو دونوں کی حیثیت یکساں نہیں ہے۔ اللہ نے بیٹھنے والوں کی بہ نسبت جان و مال سے جہاد کرنے والوں کا درجہ بڑا رکھا ہے۔ اگرچہ ہر ایک کے لئے اللہ نے بھلائی ہی کا وعدہ فرمایا ہے مگر اس کے یہاں مجاہدوں کی خدمات کا معاوضہ بیٹھنے والوں سے بہت زیادہ ہے۔ ان کے لئے اللہ کی طرف سے بڑے درجے ہیں اور مغفرت اور رحمت ہے۔ اللہ بڑا معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے"۔

(سورۃ النساء ۴۔ رکوع ۱۳)

"اس گروہ کے تعاقب میں کمزوری نہ دکھاؤ۔ اگر تم تکلیف اٹھا رہے ہو تو تمہاری طرح وہ بھی تکلیف اٹھا رہے ہیں اور تم اللہ سے اس چیز کے امیدوار ہو جس کے وہ امیدوار نہیں۔ اللہ سب

کچھ جانتا ہے۔ وہ حکیم اور دانا ہے۔"

(سورۃ النساء ۴۔ رکوع ۱۵)

"لوگوں میں سے کوئی ایسا ہے جو کہتا ہے کہ ہم ایمان لائے۔ اللہ پر۔ مگر جب وہ اللہ کے معاملہ میں ستایا گیا تو اس نے لوگوں کی ڈالی ہوئی آزمائش کو اللہ کے عذاب کی طرح سمجھ لیا۔ اب اگر تیرے رب کی طرف سے فتح و نصرت آگئی تو یہی شخص کہے گا کہ: ہم تو تمہارے ساتھ تھے۔ کیا دنیا والوں کے دلوں کا حال اللہ کو بخوبی معلوم نہیں ہے؟ اور اللہ کو تو یہ ضرور دیکھنا ہے کہ ایمان لانے والے کون ہیں اور منافق کون؟"

(سورۃ العنکبوت ۲۹۔ رکوع ۱)

اس دوسرے شعر میں اقبالؔ نے سفر کی جس منزل تک پہنچنے کی بات کی ہے اس کے انجام کار کے متعلق ارشاد ہے:۔

ان سے پوچھو، یہ انجام اچھا ہے یا وہ ابدی جنت جس کا وعدہ خدا ترس پرہیزگاروں سے کیا گیا ہے جو ان کے عمل کی جزا اور انکے سفر کی آخری منزل ہوگی جس میں ان کی ہر خواہش پوری ہوگی۔ جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ جس کا عطا کرنا تمہارے رب کے ذمے ایک واجب الادا وعدہ ہے۔"

(سورۃ فرقان ۲۵۔ رکوع ۲)

"سختیٔ منزل" کو "سامان سفر" سمجھنے پر صحابہ کرام کی زندگیوں میں بے شمار مثالیں ملتی ہیں۔ ایک روایت درج ذیل ہے:۔

"نبی کریمؐ نے رجب ۸ھ کو سمندر کے کنارے ایک لشکر تین سو آدمیوں کا جن پر حضرت ابو عبیدہؓ امیر بنائے گئے تھے، بھیجا۔ حضور

نے ایک تھیلی میں کھجوروں کا توشہ بھی انکو دیا پندرہ دن ان حضرات کا قیام وہاں رہا اور توشہ ختم ہوگیا حضرت قیسؓ جو اس قافلہ میں تھے مدینہ منورہ میں قیمت ادا کرنے کے وعدہ پر قافلہ والوں سے اونٹ خرید کر ذبح کرنے شروع کئے اور تین اونٹ روزآنہ ذبح کرتے مگر تیسرے دن امیر قافلہ نے اس خیال سے کہ سواریاں ختم ہوگئیں تو واپسی میں بھی مشکل ہو جائے گی ذبح کی ممانعت کی اور سب لوگوں کے پاس اپنی اپنی جو کھجوریں موجود تھی جمع کر کے ایک تھیلی میں رکھ لی اور ایک ایک کھجور روزآنہ تقسیم فرمادیا کرتے جس کو چوس کر یہ حضرات پانی پی لیتے اور رات تک یہی کھانا تھا۔ جب وہ بھی ختم ہوگیا تو درخت کے خشک پتے جھاڑتے اور پانی میں بھگو کر کھا لیتے۔ حق تعالیٰ نے ان تکالیف اور مشقتوں کے بعد سمندر میں سے ایک مچھلی ان لوگوں کو پہنچائی جس کو عنبر کہتے ہیں اتنی بڑی تھی کہ اٹھارہ روز تک یہ حضرات اس میں سے کھاتے رہے اور مدینہ منورہ تک اس کا گوشت توشوں میں ساتھ تھا"

("فضائلِ اعمال": حکایات صحابہؓ)

سختیٔ منزل" کو 'سامان سفر' سمجھنے کی سب سے مشہور روایت خود حضورؐ کے ساتھ گزرے ہوئے واقعات کی ہے۔

"جب سرداران مکہ نے حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کے بعد اسلام کے بڑھتے ہوئے زور کو دیکھا تو بنو ہاشم کا سماجی بائیکاٹ کیا اور یکم محرم ۷ جھوی کو ایک معاہدہ تحریر میں لکھ کر بیت اللہ میں لٹکا دیا جس کی رو سے تین سال تک سارے لوگ دو پہاڑوں کے درمیان ایک گھاٹی میں نظر بند رہے۔ وہ نہ کسی سے مل سکتے

تھے اور نہ مکہ کے کسی آدمی سے کوئی چیز خرید سکتے تھے۔ نہ باہر کے آنے والے کسی تاجر سے مل سکتے تھے۔ اگر کوئی شخص باہر نکلتا تو پیٹا جاتا تھا۔ فاقوں پر فاقے گذرتے۔ تین سال تک ان حضرات پر جس میں خود رسول اللہ بھی شریک تھے، کیا گذری ہوگی وہ ظاہر ہے۔ مگر وہ نہایت ثابت قدمی سے اپنے دین پر جمے رہے"

(بحوالہ "فضائل اعمال"۔ "حکایات صحابہؓ")

اس بند کے تیسرے شعر میں اقبال نے کہسار کی خلوت میں تعلیم خود آگاہی حاصل کر کے اپنی خودی کی مخفی طاقتوں پر تقویت حاصل کرنے کی تلقین کی ہے۔ اسی مقام پر خود آگاہی اور خدا شناسی کی نصیحتیں ملتی ہیں۔ اقبال "محراب گل افغان کے افکار" میں کہسار اور بیابان کے شیدائی اس لئے نظر آتے ہیں چونکہ انھیں کہساروں اور بیابانوں میں رسول اللہ اور صحابہ کرامؓ کو خود شناسی اور خدا شناسی کی نعمتیں حاصل ہوئیں نہ کہ شہروں اور بازاروں میں۔

جب رسول اللہ کی زندگی میں انقلاب رونما ہونے لگا تو آپ تنہائی میں بیٹھ کر اللہ کی عبادت کرنے اور اپنے ماحول کی اخلاقی اور دینی پستی کی طرف توجہ دینے لگے۔ اس غور و فکر کے لئے آپ مکہ معظمہ سے تین میل کے فاصلے پر غار حرا میں اکثر جا کر قیام فرماتے اور غور و فکر اور عبادت الٰہی میں مصروف رہتے۔ کھانے پینے کا سامان ساتھ لے جاتے۔ جب ختم ہو جاتا تو پھر آکر لے جاتے یا حضرت خدیجہؓ پہنچا دیتیں۔

ایک دن آپ غار حرا میں حسب معمول عبادت رمضان کا مہینہ تھا کہ یکایک آپ کے سامنے حضرت جبرئیلؑ نمودار ہوئے اور آپ سے "اقرا باسم ربک الذی" پڑھوایا۔ یہی سب سے پہلی وحی تھی۔ جب حضورؐ گھر تشریف لائے تو آپؐ پر لرزہ طاری تھا۔ اس کے بعد حضرت جبرئیل کی آمد رک گئی۔ مگر آپ بدستور غار حرا جاتے رہے۔ یہ عرصہ قریب چھ ماہ کا رہا۔ جب اس کے بعد آپ پر وحی کا آنا بند ہو گیا

تو آپ کچھ متردد ہوئے۔ مگر حضرت جبرئیلؑ تشریف لاتے رہے اور آپکو اطمینان دلاتے رہے کہ آپکا انتخاب بحیثیت رسول ہو چکا ہے۔ آپ انتظار فرمائیں۔

اقبال نے انہی واقعات کو اس شعر میں نظم کیا ہے ؎

این راز ہے مردانِ حُرّ کی درویشی
کہ جبرئیلؑ سے ہے اسکو نسبتِ خویشی

("بال جبریل": غزل ۶)

اس بند کے چوتھے اور آخری شعر میں اقبال نے مسلمانوں کو دنیا اور عقبیٰ دونوں کے امتزاج سے دنیا پر حکمرانی کرنے کی تلقین کی ہے جو مبنی ہے درج ذیل آیات پر:-

"کامیاب دراصل وہی ہے جو وہاں آتشِ دوزخ سے بچ جائے اور جنت میں داخل کر دیا جائے۔ رہی یہ دنیا تو یہ محض ظاہر فریب چیز ہے۔"

(سورۃ آل عمران ۳۔ رکوع ۱۹)

"حق یہ ہے کہ جو بھی اپنی ہستی کو اللہ کی اطاعت میں سونپ دے اور عملاً نیک روش پر چلے اس کے لئے اس کے رب کے پاس اس کا اجر ہے اور ایسے لوگوں کے لئے کسی خوف یا رنج کا کوئی موقع نہیں۔"

(سورۃ البقرہ ۲۔ رکوع ۱۴)

پندرھواں بند

آدم کا ضمیر اس کی حقیقت پہ ہے شاہد
مشکل نہیں اے سالک رہ علم فقیری
فولاد کہیں رہتا ہے شمشیر کے لائق
پیدا ہو اگر اس کی طبیعت میں حریری!
خود دار نہ ہو فقر، تو ہے قہر الٰہی
ہو صاحب غیرت، تو ہے تمہید امیری!
افرنگ ز خود بے خبرت کرد وگرنہ
اے بندۂ مومن، تو بشیری، تو نذیری

اس بند میں اقبال نے فقر کی اہمیت، دینی غیرت اور مسلمانوں کے "خیرِ امّت" ہونے کی فضیلت کی طرف دھیان مبذول کرایا ہے اس کے پہلے شعر میں انھوں نے "علم فقری" کا حاصل کرنا اس لئے آسان بتایا ہے کہ انسان کا ضمیر اس حقیقت پر شاہد ہے کہ۔

"اللہ کسی انسان پر اس کی مقدرت سے بڑھ کر ذمہ داری کا بوجھ نہیں ڈالتا"

(سورۃ البقرہ ۲۔ رکوع ۴۰)

"علم فقری" کی اصطلاح مبنی ہے درج ذیل آیات پر:۔

"کہتے ہیں: "یہ کیا رسول ہے جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے؟ کیوں نہ اس کے پاس کوئی فرشتہ بھیجا گیا جو اس کیساتھ رہتا اور (نہ ماننے والوں کو) دھمکاتا؟ یا اور کچھ نہیں تو اس کے لئے کوئی خزانہ ہی اتار دیا جاتا یا اس کے پاس کوئی باغ ہی ہوتا جس سے (اطمینان کی) روزی حاصل کرتا؟" اور یہ ظالم کہتے ہیں: "تم لوگ تو ایک سحر زدہ آدمی کے پیچھے لگ گئے ہو" دیکھو کیسی کیسی بجھتیں یہ لوگ تمہارے آگے پیش کر رہے ہیں۔ ایسے بہکے ہیں کہ کوئی ٹھکانے کی بات ان کو نہیں سوجھتی۔ بڑا بابرکت ہے وہ جو اگر چاہے تو ان کی تجویز کردہ چیزوں سے بھی زیادہ بڑھ چڑھ کر تم کو دے سکتا ہے (ایک نہیں) بہت سے باغ جنکے نیچے نہریں بہتی ہوں اور بڑے بڑے محل"

(سورۃ الفرقان ۲۵۔ رکوع ۱ اور ۲)

"علم فقری" پر مزید روشنی اقبال کے درج ذیل اشعار میں بھی ملتی ہے:۔

علم کا مقصود ہے پاکیٔ عقل و خرد
فقر کا مقصود ہے عفت قلب و نگاہ

علم فقیہہ و حکیم، فقر مسیح و کلیم
علم ہے جویائے راہ، فقر ہے دانائے راہ

("بال جبریل: غزل ۵۹)

اس بند کے دوسرے شعر میں اقبال نے "علم فقیری" کی حقیقت واضح کی ہے وہ یہ کہ انسان اگر اتباع رسول سے اپنی خودی کو فولاد بنالے تو وہ تسخیر شش جہات اور خلیفتہ الارض کے منصب جلیلہ کے فرائض بہ حسن و خوبی انجام دے سکتا ہے۔ اس لئے کہ ایک کمزور خودی، جہان رنگ و بو میں، باطل کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ روایت یہ ہے کہ:۔

"حضرت عائشہ رضؓ سے کسی نے پوچھا تھا کہ "آپ کے گھر میں حضورؐ کا بستر کیسا تھا؟" فرمایا کہ: "ایک چمڑہ کا تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی"۔ حضرت حفصہ رضؓ سے بھی کسی نے پوچھا کہ: "آپ کے گھر میں حضورؐ کا بسترہ کیسا تھا؟" فرمایا کہ: "ایک ٹاٹ تھا جس کو دوہرا کر کے حضورؐ کے نیچے بچھا دیتی تھی۔ ایک روز مجھے خیال ہوا کہ اگر اس کو چوہرا کر کے بچھا دوں تو نرم ہو جائے۔ چنانچہ ہم نے بچھا دیا۔ حضورؐ نے صبح کو فرمایا "رات کیا بچھا دیا تھا؟" ہم نے عرض کر دیا کہ: "وہی ٹاٹ تھا جس کو چوہرا کر دیا تھا"۔ فرمایا: "اس کو ویسا ہی کر دو جیسا پہلے تھا اس کی نرمی رات کو اٹھنے میں مانع بنتی ہے"

(فضائل اعمال: "حکایاتِ صحابہ رضؓ")

اس بند کے تیسرے شعر میں اقبال نے قومی تشخص کی مدافعت کے لئے دو عناصر کی نشاندہی کی ہے یعنی خودداری اور دینی غیرت جسے وہ "فقر غیور" سے بھی موسوم کرتے ہیں۔

خوار جہاں میں کبھی ہو نہیں سکتی وہ قوم
عشق ہو جس کا جسور، فقر ہو جس کا غیور!

("ضرب کلیم": غزل)

فقر کی خود داری اور اس "تمہیدِ امیری" بننے پر اقبالؔ کے تصورات درج ذیل آیات کی ترجمانی کرتے ہیں :-

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، میں بتاؤں تم کو وہ تجارت جو تمہیں عذاب الیم سے بچا دے! ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے یہی تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانو۔ اللہ تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور تم کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور ابدی قیام کی جنّتوں میں بہترین گھر تمہیں عطا فرمائے گا۔ یہ ہے بڑی کامیابی۔ اور وہ دوسری چیز جو تم چاہتے ہو وہ بھی تمہیں دے گا۔ اللہ کی طرف سے نصرت اور قریب ہی میں حاصل ہو جانے والی فتح۔ اے نبیؐ، ایمان کی بشارت دے دو۔"

(سورۃ الصف ۶۱۔ رکوع ۲)

اقبال کے لئے فقر وہ "شمشیرِ جگر دار" ہے جو اگر مومن کے قبضے میں آجاتی ہے تو "خالد جانباز" بن جاتی ہے یا "حیدر کرار" کہتے ہیں :-

سوچا بھی اے مردِ مسلماں کبھی تو نے
کیا چیز ہے فولاد کی شمشیرِ جگر دار
اس بیت کا یہ مصرعۂ اوّل ہے کہ جس میں
پوشیدہ چلے آتے ہیں توحید کے اسرار
ہے فکر مجھے مصرعۂ ثانی کی زیادہ
اللہ کرے تجھ کو عطا فقر کی تلوار
قبضے میں یہ تلوار بھی آجائے تو مومن
یا خالدِ جانباز ہے یا حیدرِ کرار

(ضربِ کلیم: "آزادیٔ شمشیر کے اعلان پر")

"فقیری" اور "امیری" کے تعلق پر اقبال نے دوسری جگہ یہ اظہارِ خیال کیا ہے ؎

نہیں فقر و سلطنت میں کوئی امتیاز ایسا
یہ سپہ کی تیغ بازی، وہ نگہ کی تیغ بازی

("بالِ جبریل"، غزل ۱۳)

اس بند کے چوتھے اور آخری شعر میں اقبال نے مسلمانوں کی دینی غیرت کو للکارا ہے اور یہ طنز کیا ہے کہ خدا نے تجھے بشیری اور نذیری بنایا اور "خیرِ امّہ" کے لقب سے نوازا اور تو فرنگیوں کا غلام بنا بیٹھا ہے۔ رسول اللہ کے بشیری اور نذیری کے فرائض انجام دینے کے لئے، معبوث کئے جانے پر لاتعداد آیات وارد ہوئی ہیں۔ ان میں سے چند، اس شعر کی مناسبت سے، درج ذیل ہیں :۔

"اے نبیؐ، ہم نے تمہیں بھیجا ہے گواہ بنا کر بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر۔ اللہ کی اجازت سے اس کی طرف دعوت دینے والا اور روشن چراغ بنا کر۔"

(سورۃ الاحزاب ۳۳۔ رکوع ۶)

"اے نبیؐ، ہم نے تم کو شہادت دینے والا، بشارت دینے والا، اور خبردار کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔"

(سورۃ الفتح ۴۸۔ رکوع ۱)

قرآن میں مسلمانوں کو یہ تنبیہہ کی گئی ہے کہ :۔

"محمدؐ اس کے سوا کچھ نہیں کہ بس ایک رسول ہیں ان سے پہلے اور بھی رسول گزر چکے ہیں۔ پھر کیا اگر وہ مر جائیں یا قتل کر دیئے جائیں تو تم لوگ الٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟ یاد رکھو! جو الٹا پھرے گا وہ اللہ کا کچھ نقصان نہ کرے گا البتہ جو اللہ کے شکر گذار بندے بن کر رہیں گے انہیں وہ اس کی جزا دے گا۔"

(سورۃ آل عمران ۳۔ رکوع ۱۴)

ان آیات کے پیش نظر ہی قرآن میں یہ تاکید بھی آئی ہے کہ :-

"تم میں کچھ لوگ تو ایسے ضرور ہی ہونے چاہئیں جو نیکی کی طرف بلائیں بھلائی کا حکم دیں اور برائیوں سے روکتے رہیں۔ جو لوگ یہ کام کریں گے وہی فلاح پائیں گے"۔

(سورۃ آل عمران ۳۔ رکوع ۱۱)

"اور یہ کچھ ضروری نہ تھا کہ اہل ایمان سارے کے سارے نکل کھڑے ہوتے۔ مگر ایسا کیوں نہ ہوا کہ ان کی آبادی کے ہر حصے میں سے کچھ لوگ نکل کر آتے اور دین کی سمجھ پیدا کرتے اور واپس جا کر اپنے علاقے کے باشندوں کو خبردار کرتے تاکہ وہ (غیر مسلمانہ روش سے) پرہیز کرتے"۔

(سورۃ التوبہ ۹۔ رکوع ۱۵)

"زمانے کی قسم انسان درحقیقت خسارے میں ہے سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے۔ اور ایک دوسرے کو حق کی نصیحت اور صبر کی تلقین کرتے رہتے"۔

(سورۃ العصر ۱۰۳۔ رکوع ۱)

اس لئے حجتہ الوداع کے موقع پر فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفات کے میدان میں :-

"میں تمہارے درمیان ایک ایسی چیز چھوڑے جا رہا ہوں کہ جب تک اس پر کاربند ہو گے کبھی راہ راست سے نہ ہٹو گے۔ وہ ہے اللہ کی کتاب! جو لوگ یہاں موجود ہیں وہ یہ باتیں غیر حاضر لوگوں تک پہنچا دیں۔ ممکن ہے بعض سامعین کے مقابلے میں بعض غیر حاضر لوگ ان باتوں کو اچھی طرح یاد رکھیں"۔

رسول اللہؐ کے یہ فرمودات دلالت کرتے ہیں اِن آیات پر :-

"اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کے لئے میدان میں لایا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔"

(سورۃ آل عمران ۳۔ رکوع ۱۲)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو اس نے تمہیں اپنے کام کے لئے چن لیا ہے اور دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی۔ قائم ہو جاؤ اپنے باپ ابراہیمؑ کی ملت پر۔"

(سورۃ الحج ۲۲۔ رکوع ۱۰)

"چونکہ مسلمانوں کو قرآن میں اس کتاب کا وارث بنا دیا گیا ہے اس لئے اقبال اس شعر میں یہ نکتہ ذہن نشین کراتے ہیں کہ قرآن اور حدیث کی رو سے کو قرآنی تعلیمات اور ہدایات کو سینہ بہ سینہ پہنچاتے رہنا ہے اس لئے تم پر تو بشیری اور نذیری کے فرائض عائد ہوتے ہیں۔ چہ جائیکہ تم نے فرنگیوں کی غلامی قبول کر لی انھوں نے مسلمانوں کو اس کی اصلیت سے آگاہ کیا ہے :-

سولہواں بند

قوموں کے لئے موت ہے مرکز سے جدائی
ہو صاحبِ مرکز تو خودی کیا ہے؟ خدائی!
جو فقر ہوا تلخیٔ دوراں کا گلہ مند
اس فقر میں باقی ہے ابھی بوئے گدائی!
اس دور میں بھی مردِ خدا کو ہے میسّر
جو معجزۂ پربت کو بنا سکتا ہے رائی!
در معرکہ بے سوز تو ذوقے نتواں یافت
اے بندۂ مومن تو، تو کجائی؟ تو کجائی؟
خورشید! سراپردۂ مشرق سے نکل کر
پہنا میرے کہسار کو ملبوسِ حنائی!

اس بند میں اقبال نے مسلمانوں کو اپنی اجتماعی خودی مستحکم کرنے اور فقر و استغنا پر قناعت رکھنے کی تلقین کی ہے پہلے شعر میں اقبال نے صرف فرد ہی کو اپنی خودی مستحکم کرنے کی تلقین نہیں کی ہے بلکہ اسے اجتماعی خودی میں ضم کرنے اور اس کے زور سے ایک مستحکم معاشرہ جو قانون الٰہی کا پابند ہو، وجود میں لانے کی باتیں کی ہیں کیونکہ ان کا نظریہ یہ تھا کہ ؎

فرد قائم ربطِ ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں

(بانگ درا: "شمع اور شاعر۔ شمع")

اقبال جب مرکز سے جدائی کی باتیں کرتے ہیں تو اس سے ان کی مراد دین اسلام کی رسی کو مضبوط پکڑ رکھنے کی ہے۔ اس لئے کہ اس رسّی نے مسلمانوں کو مرکزیت دی۔ جیسا کہ خدا خود فرماتا ہے :۔

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو ..... سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو اور تفرقہ میں نہ پڑو" (وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا)۔

(سورۃ آل عمران ۳۔ رکوع ۱۱)

"دین کے معاملے میں کوئی زور زبردستی نہیں ہے۔ صحیح بات غلط خیالات سے الگ چھانٹ کر رکھ دی گئی ہے اب جو کوئی طاغوت کا انکار کر کے اللہ پر ایمان لے آیا اس نے ایک ایسا مضبوط سہارا تھام لیا جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں ہے۔

(سورۃ البقرہ ۲۔ رکوع ۳۴)

اقبال کے تصورات درج ذیل آیات پر بھی مبنی ہے :۔

"اے ایمان لانے والو تم پورے کے پورے اسلام میں آجاؤ اور

شیطان کی پیروی نہ کرو وہ تمہارا کھلا دشمن ہے"۔

(سورۃ البقرہ ۲۔ رکوع ۲۵)

"اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے"۔

(سورۃ آل عمران ۳۔ رکوع ۲)

خانۂ کعبہ کی تعمیر بھی اسی اجتماعیت اور مرکزیت کے تحت عمل میں لائی گئی ہے۔ فرمایا:۔

"اللہ نے مکانِ محترم کعبہ کو لوگوں کے لئے (اجتماعی زندگی کے) قیام کا ذریعہ بنایا"۔

(سورۃ المآئدۃ ۵۔ رکوع ۱۳)

"بیشک سب سے پہلی عبادت گاہ جو انسان کے لئے تعمیر ہوئی وہ وہی ہے جو مکہ میں واقع ہے۔ اس کو خیر و برکت دی گئی اور تمام جہان والوں کے لئے مرکزِ ہدایت بنایا گیا تھا"۔

(سورۃ آل عمران ۳۔ رکوع ۱۰)

"خودی کیا ہے؟ خدائی!" پر اقبال نے دوسری جگہ اس طرح اظہارِ خیال کیا ہے ؎

بے ذوقِ نمود زندگی موت — تعمیرِ خودی میں ہے خدائی

("بالِ جبریل": غزل ۳۱)

اس بند کے دوسرے شعر میں اقبال نے یہ بات ذہن نشین کرائی ہے کہ شانِ فقر یہ ہے کہ اس کی زبان پر "تلخیٔ دوراں" کا گلہ نہ ہو۔ اقبال کا یہ تصور درج ذیل آیات پر مبنی ہے:۔

"شیطان تمہیں مفلسی سے ڈراتا ہے اور شرمناک طرزِ عمل اختیار کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ مگر اللہ تمہیں اپنی بخشش اور فضل کی امید دلاتا ہے اللہ بڑا فراخ دست اور دانا ہے جس کو چاہتا ہے حکمت عطا کرتا ہے اور جس کو حکمت ملی اسے حقیقت

میں بڑی دولت مل گئی"۔

(سورۃ البقرہ ۲۔رکوع ۳۷)

خاص طور پر مدد کے مستحق وہ نیک دوست ہیں جو اللہ کے کام میں ایسے گھر گئے ہیں کہ اپنی ذاتی کسب معاش کے لئے زمین میں کوئی دوڑ دھوپ نہیں کر سکتے۔ ان کی خودداری دیکھ کر ناواقف آدمی گمان کرتا ہے کہ یہ خوشحال ہیں۔ تم ان کے چہروں سے ان کی اندرونی حالت پہچان سکتے ہو مگر وہ ایسے لوگ نہیں ہیں کہ لوگوں کے پیچھے پڑ کر کچھ مانگیں"۔ (سورۃ البقرہ ۔۲۔رکوع ۳۷)

"نیک وہ لوگ ہیں جب عہد کریں تو اسے وفا کریں اور تنگی و مصیبت کے وقت میں حق و باطل کی جنگ میں صبر کریں۔ یہ ہیں راست باز لوگ اور یہی لوگ متقی ہیں"۔

(سورۃ البقرہ ۲۔رکوع ۲۳)

اس شعر کے پہلے مصرعہ پر ایک روایت بھی خالی از دلچسپی نہ ہو گی:۔

"حضرت ابو سعید رضؓ خدری فرماتے ہیں کہ میں اُحد کی لڑائی میں پیش کیا گیا تیرہ سال کی میری عمر تھی۔ حضورؐ نے قبول نہیں فرمایا۔ میرے والد نے سفارش بھی کی کہ اس سے قویٰ اچھے ہیں۔ ہڈیاں بھی موٹی ہیں۔ حضورؐ اقدسؐ نگاہ میری طرف اوپر کو اٹھاتے تھے۔ پھر نیچے کر لیتے تھے۔ بالآخر کم عمر ہونے کی وجہ سے اجازت نہیں دی۔ میرے والد اس لڑائی میں شریک ہوئے اور شہید ہو گئے کوئی مال وغیرہ کچھ نہ تھا۔ میں حضورؐ اقدس کی خدمت میں سوال کرنے کی غرض سے حاضر ہوا۔ حضورؐ نے مجھے دیکھ کر ارشاد فرمایا کہ:۔ "جو صبر مانگتا ہے اللہ تعالیٰ اسے صبر عطا فرماتے ہیں اور جو پاکبازی اللہ سے مانگتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو پاکباز بنا دیتے ہیں۔ اور جو غنا چاہتا ہے اس کو غنا عطا فرماتے ہیں

میں نے یہ مضمون حضورؐ سے سُنا۔ پھر کچھ نہ مانگا۔ چپکے سے واپس آگیا۔"
اس کے بعد حق تعالیٰ نے ان کو وہ رتبہ عطا فرمایا کہ نو عمر صحابہ میں اس درجہ کا عالم دوسرا مشکل سے ملے گا۔"

("فضائل اعمال"۔ حکایاتِ صحابہؓ)

اقبال نے اپنی تصورات کا اظہار دوسری جگہ بھی کیا ہے جس میں تلخیٔ دوراں کی وجہ کر فقر میں بوئے گدائی کیوں آتی ہے، اس پر روشنی ڈالی ہے ؎

مقام فقر ہے کتنا بلند شاہی سے
روش کسی کی گدایانہ ہو، تو کیا کہیے

(ضربِ کلیم: "نکتۂ توحید")

اس بند کے تیسرے شعر میں اقبال یہ باور کراتے ہیں کہ اس زمانہ میں اگر کوئی شخص رسولؐ اللہ کا اتباع کرے تو وہ بھی باطل پر غالب آسکتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:۔

"اس سے پہلے ہم موسیٰؑ کو کتاب دے چکے ہیں۔ لہٰذا اس چیز کے ملنے پر کوئی شک نہ ہونا چاہئے اس کتاب کو ہم نے بنی اسرائیل کے لئے ہدایت بنایا تھا اور جب انھوں نے صبر کیا اور ہماری آیات پر یقین دلاتے رہے تو ان کے اندر ہم نے ایسے پیشوا پیدا کئے جو ہمارے حکم سے رہنمائی کرتے تھے۔"

(سورۃ السجدۃ ۳۲۔ رکوع ۳)

مگر یہ سب کچھ زورِ خودی کے معجزات ہیں، چنانچہ اقبال دوسری جگہ اس کو اس طرح فرماتے ہیں:۔

رائی زورِ خودی سے پربت
پربت ضعفِ خودی سے رائی

("بالِ جبریل": غزل ۳۱)

اِس بند کے چوتھے شعر میں اقبالؔ جہاد کے جذبے کو فروتر کرنے اور فروتر رکھنے کے لئے سوزِ دروں پیدا کرنے کی باتیں ذہن نشیں کراتے ہیں جو ایک مومن کی صفات میں داخل ہیں۔ اس شعر کو ان آیات کی روشنی میں پڑھا جا سکتا ہے:۔

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو رکوع اور سجدہ کرو۔ اپنے رب کی بندگی کرو اور نیک کام کرو۔ اس سے توقع کی جا سکتی ہے کہ تم کو فلاح نصیب ہو۔ اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے۔ اللہ سے وابستہ ہو جاؤ۔ وہ ہے تمہارا مولیٰ بہت ہی اچھا ہے وہ مولیٰ اور بہت ہی اچھا ہے وہ مددگار۔"

(سورۃ الحج ۲۲۔ رکوع ۱۰)

"اس سے پہلے کتنے ہی نبی گذر چکے ہیں جن کے ساتھ مل کر بہت سے خدا پرستوں نے جنگ کی۔ اللہ کی راہ میں جو مصیبتیں ان پر پڑیں ان سے وہ دل شکستہ نہیں ہوئے انھوں نے کمزوری نہیں دکھائی باطل کے آگے وہ سرنگوں نہیں ہوئے۔ ایسے ہی صابروں کو اللہ پسند کرتا ہے ان کی دعائیں یہ تھی کہ: اے ہمارے رب ہماری غلطیوں اور کوتاہیوں سے درگذر فرما۔ ہمارے کام میں تیرے حدود سے جو کچھ تجاوز ہو گیا اسے معاف کر دے۔ ہمارے قدم جما دے اور کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد کر۔ آخر کار اللہ نے ان کو دنیا کا ثواب بھی دیا۔ اس سے بہتر ثوابِ آخرت بھی عطا کیا اللہ کو ایسے ہی نیک عمل لوگ پسند ہیں۔"

(سورۃ آل عمران ۳۔ رکوع ۱۵)

اِس بند کے پانچویں اور آخری شعر میں "محرابِ گل" اس کا متمنی ہے کہ ایسا کوئی مردِ مومن ظہور میں آجائے جو اس کے کہسار کو سرخ رنگ کا لباس پہنا دے۔

سترہواں بند

آگ اس کی پھونک دیتی ہے برنا و پیر کو
لاکھوں میں ایک بھی ہو اگر صاحب یقین!
ہوتا ہے کوہ و دشت میں پیدا کبھی کبھی
وہ مرد جس کا فقر خزف کو کرے نگیں!
تو اپنی سرنوشت اب اپنے قلم سے لکھ
خالی رکھی ہے خامۂ حق نے تیری جبیں!
یہ نیلگوں فضا جسے کہتے ہیں آسمان
ہمّت ہو پُرکشا تو حقیقت میں کچھ نہیں!
بالائے سر رہا تو ہے نام اس کا آسمان
زیرِ پر آگیا تو یہی آسماں زمین!

اِس بند میں اقبالؔ نے فقر کی صفات اور اس کے معجزات اور ایمانِ راسخ کی باتیں کی ہیں۔ پہلے شعر میں یہ واضح کیا ہے کہ یقین عمل کی روح رواں ہے۔ یہ اس بحرِ بیکراں میں یقین روشنی کا وہ مینار ہے جو منزلِ مقصود تک پہنچنے میں کبھی بھی کسی قسم کے شکوک وشبہات پیدا ہونے نہیں دیتا۔ اس کی افادیت پر دوسری جگہ فرماتے ہیں :۔

گماں آباد ہستی میں یقیں مردِ مسلماں کا
بیاباں کی شبِ تاریک میں قندیلِ رہبانی!

(بانگ درا : طلوع اسلام)

یہی یقین ایمان کے مترادف ہے۔ یقین محکم جہادِ زندگانی میں مردوں کے لئے شمشیر کا کام کرتا ہے اقبال اسی یقین کو ہر فرد کیلئے معیارِ عمل قرار دیتے ہیں۔ یقین کا یہ تصور درج ذیل قرآنی آیات پر مبنی ہے :۔

"پھر تمہارا کیا خیال ہے کہ بہتر انسان وہ ہے جس نے اپنی عمارت کی بنیاد خدا کے خوف اور اس کی رضا کی طلب پر رکھی ہو۔ یا وہ جس نے اپنی عمارت ایک وادی کی کھوکھلی بے ثبات لگر پر اٹھائی اور وہ اسے لے کر سیدھی جہنم کی آگ میں جا گری؟ ایسے ظالم لوگوں کو اللہ کبھی سیدھی راہ نہیں دکھاتا۔ یہ عمارت جو انھوں نے بنائی ہے۔ ہمیشہ ان کے دلوں میں بے یقینی کی جڑ بنی رہے گی (جس سے نکلنے کی اب کوئی صورت نہیں) بجز اس کے کہ ان کے دل ہی پارہ پارہ ہو جائیں۔ اللہ نہایت باخبر اور حکیم و دانا ہے۔"

(سورۃ التوبہ ۹۔ رکوع ۱۳)

"زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں۔ یقین لانے والوں کے لئے اور خود تمہارے اپنے وجود میں ہیں۔ کیا تم کو سوجھتا نہیں؟"

(سورۃ الذّٰریٰت ۵۱۔ رکوع ۱)

اس بند کے دوسرے شعر میں اقبال کہتے ہیں کہ ایسا صاحبِ یقین جس کا فقر خزف کو نگیں کر دے کبھی کبھی پیدا ہوتا ہے۔ اس شعر کے پہلے مصرعہ میں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ اقبال نے ایسے مردِ مومن کی جائے پیدائش کوہ و دشت بتائی ہے اور فقر کا یہ تصور سراسر حجازی ہے جس پر تاریخ اسلام شاہد ہے۔

اس بند کے تیسرے شعر میں اقبال اپنی خودی کی زور پر جو شانِ فقر سے آراستہ ہے' اپنی تقدیر خود لکھنے کی بات کہی ہے جو مضمر ہے اتباعِ رسولؐ میں۔ ایسے ہی تصورات اقبال کے ان اشعار میں بھی ملتے ہیں:۔

تو ہے فاتح عالم خوب و زشت!
تجھے کیا بتاؤں تری سرنوشت!

(بالِ جبریل: "ساقی نامہ")

تقدیر شکن قوت باقی ہے ابھی اس میں
ناداں جسے کہتے ہیں تقدیر کا زندانی!

("بالِ جبریل": غزل ۱۵)

اس بند کے چوتھے اور پانچویں اشعار میں اقبال نے فقر ہی پر مزید روشنی ڈالی ہے۔ وہ یہ کہ مقام فقر تک پہنچنا صرف ہمت پر موقوف ہے جو بظاہر بہت مشکل معلوم ہوتا ہے۔ یہ مقام ہے خدا تک رسائی کا جو ممکن ہے صرف اپنے کو خدا کے رنگ میں رنگ لینے پر۔ یہ اشعار درج ذیل آیات پر مبنی ہیں:۔

"لوگو! تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس دلیل روشنی آگئی ہے۔ اور ہم نے تمہاری طرف ایسی روشنی بھیجدی ہے جو تمہیں صاف صاف راستہ دکھانے والی ہے۔ اب جو لوگ اللہ کی بات مان لیں گے' اس کی پناہ ڈھونڈیں گے۔ ان کو اللہ اپنی رحمت اور اپنے فضل و کرم کے دامن میں لے

لے گا اور اپنی طرف آنے کا سیدھا راستہ ان کو دکھا دے گا۔"

(سورۃ النسآء ۴۔ رکوع ۲۴)

"جو لوگ ہماری خاطر مجاہدہ کریں گے انہیں ہم اپنے راستے دکھائیں گے اور یقیناً اللہ نیکوکاروں ہی کے ساتھ ہے۔"

(سورۃ العنکبوت ۲۹۔ رکوع ۷)

"یقیناً اللہ ایمان والوں کو ہمیشہ سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔"

(سورۃ الحج ۲۲۔ رکوع ۷)

کہو: اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے اور وہ اپنی طرف آنے کا راستہ اسی کو دکھاتا ہے۔ جو اس کی طرف رجوع کرے۔ ایسے ہی لوگ ہیں وہ جنہوں نے (اِس نبی کی دعوت کو) مان لیا ہے۔ اور ان کے دلوں کو اللہ کی یاد سے اطمینان نصیب ہوتا ہے۔

(سورۃ الرعد ۱۳۔ رکوع ۴)

"یہ تمہاری دولت اور تمہاری اولاد نہیں ہے جو تمہیں ہم سے قریب کرتی ہے۔ ہاں مگر جو ایمان لائے اور نیک عمل کرے۔"

(سورۃ السبا ۳۴۔ رکوع ۵)

"اللہ اپنے نور کی طرف جس کو چاہتا ہے رہنمائی فرماتا ہے۔"

(سورۃ النور ۲۴۔ رکوع ۵)

"ہر ایک کے لئے ایک رخ ہے جس کی طرف وہ مُڑتا ہے۔ پس تم بھلائیوں کی طرف سبقت کرو۔ جہاں بھی تم ہو گے اللہ تمہیں پالے گا۔ اس کی قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں۔"

(سورۃ البقرہ ۲۔ رکوع ۱۸)

"جو اللہ کا دامن مضبوطی کے ساتھ تھامے گا وہ ضرور راہ راست

پائے گا۔"

(سورۃ اٰل عمران ۳۔ رکوع ۱۰)

اِن دونوں اشعار پر درج ذیل روایت بھی ملحوظ رکھنی ضروری ہے :-

"حضور اقدسؐ کا ارشاد ہے کہ : حق تعالیٰ شانہ ارشاد فرماتے ہیں کہ :
"میں بندہ کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرتا ہوں جیسا کہ وہ میرے ساتھ
گمان رکھتا ہے۔ اور جب وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کیساتھ ہوتا ہوں
پس اگر وہ مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اس کو اپنے دل میں
یاد کرتا ہوں۔ اور اگر وہ میرا مجمع میں ذکر کرتا ہے تو میں اس مجمع سے
بہتر یعنی فرشتوں کے مجمع میں (جو معصوم اور بے گناہ ہیں) تذکرہ
کرتا ہوں۔ اور اگر بندہ میری طرف ایک بالشت متوجہ ہوتا ہے تو میں
ایک ہاتھ اس کی طرف متوجہ ہوتا ہوں اور اگر وہ ایک ہاتھ بڑھتا
ہے تو میں دو ہاتھ ادھر متوجہ ہوتا ہوں۔ اور وہ اگر میری طرف چل کر
آتا ہے تو میں اس کی طرف دوڑ کر چلتا ہوں۔"

("فضائل اعمال": فضائلِ ذکر)

ایسے ہی تصورات اقبال کے اِن اشعار میں بھی ملتے ہیں :-

فضا تری مہ و پَروین سے ہے ذرا آگے
قدم اٹھا یہ مقام آسمان سے دور نہیں

(بالِ جبریل : غزل ۲۷)

افلاک سے آتا ہے نالوں کا جواب آخر!
کرتے ہیں خطاب آخر! اٹھتے ہیں حجاب آخر!

("بالِ جبریل": غزل ۲۹)

اٹھارہواں بند

یہ نکتہ خوب کہا شیر شاہ سوری نے
کہ امتیازِ قبائل تمام تر خواری
عزیز ہے انہیں نام وزیری و محسود
ابھی یہ خلعت انعانیت سے ہیں عاری!
ہزار پارہ ہے کہسار کی مسلمانی
کہ ہر قبیلہ ہے اپنے بتوں کا زنّاری!
وہی حرم ہے وہی اعتبارِ لات و منات
خدا نصیب کرے تجھ کو ضربتِ کاری!

اس بند میں اقبال نے افغانیوں کو قبائلی امتیاز پر فخر کرنے کی باتوں کو اپنی ہدف کا نشانہ بنایا اور وحدت ملّی پر زور دیا ہے۔ پہلے تین اشعار میں انھوں نے اِس امتیاز کو تمام تر خواری قرار دیا ہے اور عام مسلمانوں کو نسل قوم اور جغرافیائی حدود کی بنا پر ٹکڑہ ٹکڑہ بٹ جانے پر مذمت کی ہے جو دین اسلام کی اصل روح کو نفی کرتی ہے۔ اقبال کے یہ تصورات درج ذیل آیات پر مبنی ہے :۔

"لوگو ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنا دیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیزگار ہے"

(سورۃ الحجرات ۴۹۔ رکوع ۲)

"پہلے جن لوگوں کو کتاب دی گئی تھی ان میں تفرقہ برپا نہیں ہوا مگر اس کے بعد ان کے پاس (راہ راست کا) بیان واضح ہو چکا ہے۔ اور ان کو اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ اللہ کی بندگی کریں اپنے دین کو اس کے لئے خالص کر کے بالکل یکسو ہو کر اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں یہی نہایت صحیح اور درست دین ہے۔

(سورۃ البیّنۃ ۹۸۔ رکوع ۱)

"مگر بعد میں لوگوں نے اپنے دین کو آپس میں ٹکڑے ٹکڑے کر لیا ہر گروہ کے پاس جو کچھ ہے اس میں وہ مگن ہے۔ اچھا تو چھوڑو انہیں ڈوبے رہیں اپنی غفلت میں ایک وقت خاص تک"

(سورۃ المؤمنون ۲۳۔ رکوع ۴)

"جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور گروہ گروہ بن گئے یقیناً ان سے تمہارا کچھ واسطہ نہیں۔ ان کا معاملہ تو اللہ کے

سپرد ہے۔ وہی ان کو بتائے گا کہ انہوں نے کیا کچھ کیا ہے"۔

(سورۃ الانعام ۶۔ رکوع ۲۰)

اس امتیاز پر جو قبیلہ نسل رنگ قوم یا جغرافیائی حدود کی بنا پر رکھے جاتے ہیں اقبال نے درج ذیل اشعار میں بھی مذمت کی ہے:۔

بُتانِ شعوب و قبائل کو توڑ
رسم کہن کے سلاسل کو توڑ!
یہی دین محکم، یہی فتح باب
کہ دنیا میں توحید ہو بے حجاب!

(بالِ جبریل: پنجاب کے دہقاں سے)

قبائل ہوں ملت کی وحدت میں گم
کہ ہو نام افغانیوں کا بلند!

(بالِ جبریل: خوشحال خاں کی وصیت)

کھو گیا جو مطلب ہفتاد و دو ملت میں
سمجھے گا نہ تو جب تک بیرنگ نہ ہو ادراک!

(بالِ جبریل: غزل ۱۸)

جو کرے گا امتیازِ رنگ و خوں مٹ جائے گا
ترکِ خرگاہی ہو یا اعرابیِ والا گہر!
نسل اگر مسلم کی مذہب پر مقدم ہو گئی
اڑ گیا دنیا سے تو مانندِ خاکِ رہگذر

(بانگِ درا: "دنیائے اسلام")

اس بند کے چوتھے اور آخری شعر میں (پہلے تین اشعار کے پس منظر میں) ان قبیلوں کو بت بنا کر پرستش کئے جانے کو اقبال نے حرم کے ہوتے ہوئے لات و

منات قرار دیا ہے۔ حرم سے مُراد کعبہ محترم ہے جو بتوں سے پاک کر دیا گیا تھا۔ انسان خود پرستی میں محو ہو کر خدائی اختیارات کو بھول جاتا ہے۔ ظاہراً تو وہ حرم یعنی دین اسلام پر یقین رکھتا ہے مگر در پردہ وہ خود پرستی یعنی لات و منات کا شکار بنا ہوا ہے۔ وہ حرم کی تعمیر تو کرتا ہے۔ لیکن بُت پرستی کی طرف مائل رہتا ہے۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ وہ اگر خودی کا خلّاق ہے تو ساتھ ساتھ اپنے کو تجلّیاتِ الٰہی کے ظہور اور مشاہدۂ ذات کا بھی زینہ بناتا اور خدا کی خدائی میں کسی دنیاوی علائق کو شریک نہیں کرتا ؎

خودی تعمیر کُن در پیکرِ خویش
چوں ابراہیمؑ معمارِ حرم شد!

"وہی حرم ہے" کہہ کر اقبالؔ نے خانۂ کعبہ کی تصویر اور اسے لات و منات سے پاک کئے جانے کی ساری داستان سامنے لاکر رکھ دی ہے جو آج بھی "بیابانِ شبِ تاریک" میں "قندیلِ رہبانی" بنا کھڑا ہے اور مسلمانوں کے قریب سبھی گھروں میں اس کی تصاویر فریم کی ہوئی، تاج محل کے فوٹو کے اغل بغل، ڈرائنگ روم کی زینت بنی لٹکی رہتی ہے۔"

"وہی حرم ہے" کہہ کر اقبالؔ درج ذیل آیات ذہن نشیں کرانا چاہتے ہیں :-

"(اے نبیؐ) اِن سے کہو: مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ شہر مکّہ کے رب کی بندگی کروں جس نے اسے حرم بنایا ہے۔ جو ہر چیز کا مالک ہے۔ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں مسلم بن کر رہوں اور یہ قرآن پڑھ کر سناؤں۔ اب جو ہدایت اختیار کرے گا وہ اپنے ہی بھلے کے لئے ہدایت اختیار کرے گا اور جو گمراہ ہو اس سے کہدو کہ: میں تو بس خبردار کرنے والا ہوں۔"

(سورۃ النمل ۲۷۔ رکوع ۷)

"اگر تم نے اس علم کے بعد جو تمہارے پاس آچکا ہے ان کی خواہشات کی پیروی کی تو یقیناً تمہارا شمار ظالموں میں ہوگا۔"

(سورۃ البقرہ ۲۔ رکوع ۱۷)

"جو کتاب ہم تمہیں دے رہے ہیں اسے مضبوطی کے ساتھ تھامو اور جو کچھ اس میں لکھا ہے اسے یاد رکھو۔ توقع ہے کہ تم غلط روی سے بچے رہو گے"

(سورۃ الاعراف ۷۔ رکوع ۲۱)

لات ومنات کا ذکر قرآن میں درج ذیل آیات میں وارد ہوا ہے:۔

"اب ذرا بتاؤ تم نے کبھی اس لات اور اس عُزّیٰ اور تیسری ایک دیوی منوٰۃ کی حقیقت پر کچھ غور بھی کیا ہے۔ کیا بیٹے تمہارے لئے ہیں اور بیٹیاں خدا کے لئے! تو پھر بڑی دھاندھلی کی تقسیم ہوئی یا دراصل یہ کچھ نہیں ہیں مگر بس چند نام جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لئے ہیں۔ اللہ نے ان کے لئے کوئی سند نازل نہیں کی حقیقت یہ ہے کہ محض وہم وگمان کی پیروی کر رہے ہیں اور خواہشاتِ نفس کے مرید بنے ہوئے ہیں۔ حالانکہ ان کے رب کی طرف سے ہدایت آچکی ہے۔ کیا انسان جو کچھ چاہے اس کے لئے وہی حق ہے؟ دنیا اور آخرت کا مالک تو اللہ ہی ہے"

(سورۃ النجم ۵۳۔ رکوع ۱)

اِس شعر کے پہلے مصرعہ میں "اعتبارِ لات ومنات" درج ذیل آیات کا ترجمان ہے:۔

جس شخص نے ایمان کی روشنی کو کفر کی روشنی سے بدل دیا وہ راہِ راست سے بھٹک گیا"

(سورۃ البقرہ ۲۔ رکوع ۱۳)

رہے وہ لوگ جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلا دیا ہے تو انہیں ہم بتدریج ایسے طریقے سے تباہی کی طرف لے جائیں گے کہ انہیں خبر تک نہ ہوگی۔ میں ان کو ڈھیل دے رہا ہوں۔ میری چال کا

تو کوئی توڑ نہیں ہے "

(سورۃ الاعراف ۷ - رکوع ۲۲)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور حکم سننے کے بعد اس سے سرتابی نہ کرو - ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے کہا کہ: ہم نے سنا - حالانکہ وہ نہیں سنتے - یقیناً خدا کے نزدیک بدترین قسم کے جانور وہ بہرے گونگے لوگ ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے - اگر اللہ کو معلوم ہوتا کہ ان میں کچھ بھی بھلائی ہے تو وہ ضرور انہیں سننے کی توفیق دیتا (لیکن بھلائی کے بغیر) اگر وہ ان کو سنواتا تو بے رخی کے ساتھ منہ پھر جاتے "

(سورۃ الانفال ۸ - رکوع ۳)

"کبھی تم نے اس شخص کے حال پر غور کیا ہے جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا خدا بنا لیا ہو؟ کیا تم ایسے شخص کو راہ راست پر لانے کا ذمہ لے سکتے ہو؟ کیا تم سمجھتے ہو کہ ان میں سے اکثر لوگ سنتے اور سمجھتے ہیں؟ یہ تو جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گذرے "

(سورۃ الفرقان ۲۵ - رکوع ۴)

"پھر کیا تم نے کبھی اس شخص کے حال پر غور کیا ہے جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا خدا بنا لیا اور اللہ نے علم کے باوجود اسے گمراہی میں پھینک دیا اور اس کے دل اور کانوں پر مہر لگا دی اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا - اللہ کے بعد اب وہ کون ہے جو اسے ہدایت دے؟ کیا تم لوگ کوئی سبق نہیں لیتے؟ "

(سورۃ الجاثیہ ۴۵ - رکوع ۳)

"اُن لوگوں نے اللہ کی قدر ہی نہ پہچانی جیسا کہ اس کے پہچاننے کا حق ہے واقعہ یہ ہے کہ قوت اور عزّت والا تو اللہ ہی ہے"

(سورۃ الحج ۲۲۔ رکوع ۱۰)

اس شعر کے دوسرے مصرعہ میں "ضربتِ کاری" سے اقبال کی مراد وہ کچھ ہے جس کے متعلق ارشاد ربانی ہے کہ:۔

"ہم نے اِس آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان میں ہے کچھ کھیل کے طور پر نہیں بنایا ہے۔ اگر ہم کوئی کھلونا بنانا چاہتے اور بس یہی کچھ کرنا ہوتا تو اپنے ہی پاس سے کر لیتے۔ مگر ہم تو باطل پر حق کی چوٹ لگاتے ہیں۔ تو اس کا سر توڑ دیتی ہے اور وہ دیکھتے دیکھتے مٹ جاتا ہے۔ اور تمہارے لئے تباہی ہے ان باتوں کی وجہ سے جو تم بناتے ہو"

(سورۃ الانبیآء ۲۱۔ رکوع ۲)

اب اس پورے چوتھے شعر پر چند آیات پیش ہیں جو اِس پر مزید روشنی ڈالتے ہیں؛

"یاد کرو وہ وقت جب ابراہیمؑ نے دعا کی تھی کہ "پروردگار! اس شہر (یعنی مکّہ) کو امن کا شہر بنا اور مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے بچا۔ پروردگار! ان بتوں نے بہتوں کو گمراہی میں ڈالا ہے ممکن ہے کہ میری اولاد کو بھی یہ گمراہ کر دیں۔ لہذا (اُن میں سے) جو میرے طریقے پر چلے وہ میرا ہے اور جو میرے خلاف طریقہ اختیار کرے تو یقیناً تو درگزر کرنے والا مہربان ہے"

(سورۃ ابراہیم ۱۴۔ رکوع ۶)

"(مگر وحدت خداوندی پر دلالت کرنے والے ان کھلے کھلے آثار کے ہوتے ہوئے بھی) کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے سوا دوسروں

کو اس کا ہمسر اور ندِ مقابل بناتے ہیں۔ ان کے ایسے گرویدہ ہیں۔ جیسی اللہ کے ساتھ گرویدگی ہونی چاہئے۔ حالانکہ ایمان رکھنے والے لوگ سب سے بڑھ کر اللہ کو محبوب رکھتے ہیں۔"

(سورۃ البقرہ ۲۔ رکوع ۲۰)

"جو کوئی (اس دنیا میں) جلدی حاصل ہونے والے فائدوں کا خواہش مند ہوا سے یہیں ہم دے دیتے ہیں جو کچھ بھی جسے دینا چاہیں۔ پھر اس کے مقسوم میں جہنم لکھ دیتے ہیں جسے وہ تاپے گا ملامت زدہ اور رحمت سے محروم ہو کر۔ اور جو آخرت کا خواہشمند ہو اور اس کے لئے سعی کرے، جیسی کہ اس کے لئے سعی کرنی چاہئے اور ہو وہ مومن تو ایسے ہر شخص کی سعی مشکور ہو گی۔ اِن کو اور اُن کو بھی دونوں فریقوں کو ہم (دنیا میں) ہم سامانِ زیست دئے جا رہے ہیں۔ یہ تیرے رب کا عطیہ ہے اور تیرے رب کی عطا کو روکنے والا کوئی نہیں۔ مگر دیکھ لو دنیا ہی میں ہم نے ایک گروہ کو دوسرے پر کیسی فضیلت دے رکھی ہے اور آخرت میں اس کے درجے اور بھی زیادہ ہوں گے اور اس کی فضیلت اور بھی بڑھ چڑھ کر ہو گی۔"

(سورۃ بنی اسرائیل، ۱۔ رکوع ۲)

حرم کے ہوتے ہوئے "اعتبارلات و منات" پر اقبال کے درج ذیل اشعار بھی اہم ہیں:۔

بدل کے بھیس پھر آتے ہیں ہر زمانے میں
اگرچہ پیر ہے آدم، جواں ہیں لات و منات

(ضربِ کلیم: نماز)

حریم تیرا، خودی غیر کی! معاذاللہ
دوبارہ زندہ نہ کر کاروبارلات ومنات

(ضربِ کلیم: "تیاتر")

بتوں سے تجھ کو اُمیدیں، خدا سے نومیدی
مجھے بتا تو سہی، اور کافری کیا ہے

("بالِ جبریل": غزل ۲۵)

کعبہ پہلو میں ہے اور سودائی بتخانہ ہے
کس قدر شوریدہ سر ہے شوق بے پروا ترا

(بانگ درا: "شمع اور شاعر۔ شمع")

صنم کدہ ہے جہاں اور مردِ حق ہے خلیل
یہ نکتہ وہ ہے کہ پوشیدہ لاالٰہ میں ہے

("بالِ جبریل": غزل ۴۸)



انیسواں بند

نگاہ وہ نہیں جو سرخ و زرد پہچانے
نگاہ وہ ہے کہ محتاجِ مہر و ماہ نہیں!
فرنگ سے بہت آگے ہے منزلِ مومن
قدم اٹھا! یہ مقام انتہائے راہ نہیں!
کھلے ہیں سب کیلئے غریبوں کے میخانے
علومِ تازہ کی سرمستیاں گناہ نہیں!
اسی سرور میں پوشیدہ موت بھی ہے تری
ترے بدن میں اگر سوزِ لَا اِلٰہَ نہیں!
سنیں گے میری صدا خانزادگانِ کبیر؟
گلیم پوش ہوں میں، صاحب کلاہ نہیں!

اس بند میں اقبال مسلمانوں کو وہ نگاہ پیدا کرنے کی تلقین کرتے ہیں جو مادّی وسائل کی محتاج نہ ہو بلکہ فقر کی بدولت پیدا ہوتی ہو۔ اس کے پہلے شعر میں اقبال کی مراد اس نگاہ سے ہے جو باطنی ہو اور مادّیت سے پاک ہو۔ اس بند کا دوسرا شعر درج ذیل آیات پر مبنی ہے:

"تم کبھی نہ پاؤ گے کہ جو لوگ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھنے والے ہوں وہ ان لوگوں سے محبت کرتے ہوں جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی ہے خواہ وہ ان کے باپ ہوں یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کے اہل خاندان۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان ثبت کر دیا ہے اور اپنی طرف سے ایک روح عطا کر کے ان کو قوت بخشی ہے۔ وہ ان کو ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے وہ اللہ کی پارٹی کے لوگ ہیں خبردار رہو، اللہ کی پارٹی والے ہی فلاح پانے والے ہیں۔"

(سورۃ المجادلۃ ۵۸۔ رکوع ۳)

"کہو: اللہ کے مطیع بنو اور رسول کے تابع فرمان بن کر رہو۔ لیکن اگر منہ پھیرتے ہو تو خوب سمجھ لو کہ رسول پر جس فرض کا بار رکھا گیا ہے اس کا ذمہ دار وہ ہے اور تم پر جس فرض کا بار ڈالا گیا ہے اس کے ذمہ دار تم۔ اس کی اطاعت کرو گے تو خود ہی ہدایت پاؤ گے ورنہ رسول کی ذمہ داری اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ صاف صاف حکم پہونچا دیے

(سورۃ النور ۲۴۔ رکوع ۷)

اس بند کے تیسرے اور چوتھے اشعار میں اقبال یہ ذہن نشین کراتے ہیں کہ علوم

تازہ" حاصل کرنی بہر حال ضروری ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ توحید اور رسالت پر ایمان رکھ کر، قرآن کی رو سے، عمل کرتے رہنا بھی ضروری ہے۔ اقبال اپنے لڑکے جاوید اقبال کو، جب وہ انگلینڈ میں زیر تعلیم تھے، یہ ہدایت دیتے ہیں کہ :۔

غارت گر دیں ہے یہ زمانہ
ہے اس کی نہاد کافرانہ
سرچشمۂ زندگی ہوا خشک
باقی ہے کہاں مئے شبانہ!
خالی ان سے ہوا بستاں
تھی جن کی نگاہ تازیانہ!
جس گھر کا مگر چراغ ہے تو
ہے اس کا مذاق عارفانہ!
جوہر میں ہو لا الٰہ تو کیا خوف
تعلیم ہو گو فرنگیانہ!
شاخِ گل پر چہک و لیکن
کر اپنی خودی میں آشیانہ!

(ضربِ کلیم: "جاوید سے")

اس بند کے پانچویں اور آخری شعر میں اقبال تاسف کرتے ہیں کہ مسلمان میری باتیں کیوں سننے لگے کیونکہ میں تو ایک معمولی آدمی ہوں۔ ایک گلیم پوش یعنی درویش ہوں یہ شعر طنز ہے ان لوگوں پر جن پر فرنگی تہذیب نے مادیت کی جڑ مضبوط کر دی ہے متذکرہ بالا نظم "جاوید سے" میں یہ بھی فرماتے ہیں کہ :۔

ہے مری بساط کیا جہاں میں
بس ایک فغانِ زیر بامی
اک صدق مقال ہیکہ جس سے
میں چشم جہاں میں ہوا گرامی
اللہ کی دین ہے جسے دے
میراث نہیں بلند نامی

بیسواں بند

فطرت کے مقاصد کی کرتا ہے نگہبانی
یا بندۂ صحرائی، یا مردِ کہستانی!
دنیا میں محاسب ہے تہذیبِ فسوں گر کا
ہے اس کی فقیری میں سرمایۂ سلطانی!
یہ حسن و لطافت کیوں، وہ قوت و شوکت کیوں؟
بلبل چمنستانی، شہباز بیابانی!
اے شیخ بہت اچھی مکتب کی فضا لیکن
بنتی ہے بیاباں میں فاروقی و سلمانی!
صدیوں میں کہیں پیدا ہوتا ہے حریف اس کا
تلوار ہے تیزی میں صہبائے مسلمانی!

اس آخری بند میں اقبال نے فقیرانہ زندگی بسر کرنے کی ترغیب دی ہے۔ اور اس سلسلے میں اُن "بندۂ صحرائی" اور "مردِ کہستان" کی یاد دلائی ہے جو حضورؐ کے گرد پروانوں کی طرح جمع ہوئے۔ وہ صوفی اور درویش نہیں تھے۔ ایک خاص قسم کی صورت بنا کر، ناکوں پر عینک لگائے، عباو عمامہ زیب تن کر کے، بجلی کے پنکھوں اور قمقموں میں مسند پر بیٹھ کر۔ مریدوں کو راہبوں اور جوگیوں کی طرح معنوی انداز شان کے زُہاد بن کر جنت کا پاسپورٹ جاری نہیں کرتے وہ بدی سے بھاگنے والے اور غالب قوتوں سے خوف کھانے اور دولت و اقتدار سے مرعوب ہونے والی ذہنیت نہیں رکھتے تھے۔ بلکہ وہ جرّی اور بیباک، باشعور اور بصیرت بند، خوددار، غیور اور ذہین، زیرک فعّال، پیش رو اور تیز گام تھے۔ الغرض وہ کارفرما بننے والی صلاحیتوں سے آراستہ تھے۔

اس بند میں اقبال نے اس لئے ان صحابہ کرامؓ کی یاد دلائی ہے جو بہترین تربیت پاکر بہترین تنظیمی رشتے میں بندھ کر اور بہترین قیادتوں کے ہاتھوں میں جاکر ایک ناقابلِ شکست قوت بن گئے تھے۔ یہ معاشرہ کے وہ سلیم الفطرت افراد تھے جن کی تربیت نے ان کی اخلاقی قوت کو بڑھا دیا اور انسانی روپ، جو نوا ہش پرست حیوان بنا دیا جاتا تھا، وہ کلمۂ حق کے اثر سے بالکل مٹ گیا اور اس کی راکھ سے ایک خدا پرست اور با اصول انسان ابھر آیا حضرت عمرؓ جیسا مکہ کا ایک میخوار نوجوان بدلا تو کہاں سے کہاں پہنچ گیا۔

پہلے شعر میں اقبال انسان کی تخلیق کی مقاصد کی طرف دھیان مبذول کراتے ہیں اور وہ مقاصد ہیں دنیا میں ایک سالم اور حق پر مبنی معاشرہ کو قائم کرنا، علم النفس کے رو سے انسان اپنے جذبات و احساسات کی وجہ کر بہت سریع الاثر اور ذکی الحس واقع ہوا ہے اس کو اپنے احساسات و جذبات کو منظم صورت دے کر اپنی اور جماعت کے فلاح و بہبود کے لئے استعمال میں لانا ہی ان کا مقصود ہونا چاہیئے کیونکہ انسان انسانیت کا اعلیٰ ترین مظہر ہے وہ قوانین فطرت کا محافظ ہے جس پر خدا کو بھی بجا طور پر ناز ہونا چاہیئے مگر فطرت کے مقاصد کی نگہبانی تب ہی ممکن ہے جب درج ذیل آیات

پر ایمان رکھ کر عمل کیا جائے :۔

(" پس اے نبی اور نبی کے پیرو) یکسو ہو کر اپنا رخ اس دین کی سمت میں جما دو۔ قائم ہو جاؤ اس فطرت پر جس پر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا کیا ہے۔ اللہ کی بنائی ہوئی ساخت بدلی نہیں جا سکتی۔ یہی بالکل راست اور درست دین ہے۔ مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔

(سورۃ الروم ۳۰۔ رکوع ۴)

اس بند کے دوسرے شعر میں اقبال مسلمانوں کو بحیثیت "خیر امت" ہونے کی ذمہ داریوں سے آگاہ کرتے ہیں اور یہاں بھی فقر کو "سرمایۂ سلطانی" بتاتے ہیں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضؓ اور اسلاف نے کر کے دکھایا۔ اس شعر کو درج ذیل آیات کی روشنی میں پڑھا جا سکتا ہے :

"بھول نہ جاؤ کہ اللہ نے کس نعمت اعظمیٰ سے تمہیں سرفراز کیا ہے وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ جو کتاب اور حکمت اس نے تم پر نازل کی ہے اس کا احترام لازم رکھو :۔

(سورۃ البقرہ ۲۔ رکوع ۲۹)

"ہم نے اس سے کہا: اے داؤدؑ، ہم نے تجھے زمین میں خلیفہ بنایا ہے لہٰذا تو لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ حکومت کر اور خواہش نفس کی پیروی نہ کر کہ وہ تجھے اللہ کی راہ سے بھٹکا دے گی۔ جو لوگ اللہ کی راہ سے بھٹکتے ہیں یقیناً ان کے لئے سخت سزا ہے اور وہ یوم الحساب کو بھول گئے"۔

(سورۃ ص ۳۸۔ رکوع ۲)

اس بند کے آخری تین اشعار میں اقبال نے فقیری کی شان بیان کی ہے اور مثال کے طور پر حضرت عمر فاروق رضؓ اور حضرت سلمان فارسی رضؓ کی مثالیں دی ہیں "شہباز

یا بانی" پر ایک روایت اس بند کے تیسرے شعر پر زیادہ بہتر روشنی ڈالتی ہے:۔

"آنحضرتؐ کی نبوت کو قریب پانچ سال ہو چکے تھے۔ جب آپ کو یہ اندازہ ہوا کہ ابھی قریش کے مظالم کے ختم ہونے کی کوئی صورت نظر نہیں آئی۔ اگرچہ بہت سے مسلمان ایسے ہیں جو کبھی بھی سختی کے مقابلے میں اسلام سے نہ موڑیں گے۔ لیکن پھر بھی مصائب ان کی قوتِ برداشت سے باہر ہوتی جا رہی تھیں اور ان کے لئے اسلام کے فرائض کو بجا لانا ناممکن ہوتا جا رہا تھا۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے یہ فیصلہ فرمایا وہ حبشہ کو ہجرت کر جائیں چنانچہ پہلی بار گیارہ مرد اور چار عورتوں نے رجب ۵ سنہ نبوی کو ہجرت کی جہاں کے بادشاہ کو عرب لوگ نجاشی کہتے ہیں اور جو عیسائی تھے۔ قریش بھلا چپ کب بیٹھنے والے تھے وہ حبشہ پہنچے اور نجاشی سے کہا کہ یہ لوگ دین سے پھر گئے ہیں۔ اس لئے انہیں اپنے ملک واپس جانے کی اجازت دی جائے۔ مگر جب نجاشی نے حضرت جعفرؓ سے سورۃ مریم کی چند آیات سنی تو خود مسلمان ہو گیا اور قریش کو جواب دے دیا کہ یہ واپس نہیں جائیں گے اس نجاشی کا نام اصحمہ تھا جب اس کا انتقال ہوا تو آنحضرت نے غائبانہ طور پر اس کی نماز جنازہ پڑھی رفتہ رفتہ تقریباً ۸۳ مسلمان حبشہ کو ہجرت کر گئے اور آج انھو پیا (حبشہ) کی مجموعی آبادی جو سوا تین کروڑ ہے اس میں مسلمانوں کا تناسب ۴۰ فیصد ہے اور من حیث الگروہ اس ملک میں اکثریت میں ہے۔ مگر پھر بھی چونکہ ان مسلمانوں کی تلواروں میں "صہبائے مسلمانی" کی تیزی نہیں اس لئے وہ نسلی اعتبار سے اکثریت میں ہوتے ہوئے آج بھی عیسائیوں کے غلام ہیں انہی معنوں میں

"حسن و لطافت" کو "بلبلِ چمنستانی" اور "قوت و شوکت" کو "شہبازِ بیابانی" سے اقبال نے مماثلت دی ہے۔ ان نکتوں پر اقبال کے درج ذیل اشعار بھی قابلِ غور ہیں:۔ جس میں "شاہین"، جو مردِ مومن کی فقیرانہ شان کا نمائندہ ہے، اپنی صفات یوں بیان کرتا ہے:۔

کیا میں نے اُس خاک داں سے کنارہ
جہاں رزق کا نام ہے آب و دانہ
بیاباں کی خلوت خوش آتی ہے مجھ کو
ازل سے ہے فطرت میری راہبانہ!
نہ بادِ بہاری، نہ گلچیں، نہ بلبل
نہ یاری نغمۂ عاشقانہ!
خیابانیوں سے ہے پرہیز لازم
ادائیں ہیں ان کی بہت دلبرانہ!
ہوائے بیاباں سے ہوتی ہے کاری
جواں مرد کی ضربت غازیانہ!
حمام و کبوتر کا بھوکا نہیں میں
کہ ہے زندگی باز کی زاہدانہ!
پرندوں کی دنیا کا درویش ہوں میں
کہ شاہیں بناتا نہیں آشیانہ!

(بالِ جبریل: "شاہین")

میانِ شاخساراں صحبتِ مرغِ چمن کب تک
ترے بازو میں ہے پروازِ شاہینِ قہستانی

(بانگِ درا: "طلوعِ اسلام")

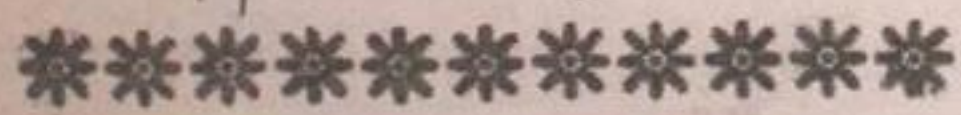

یومُ النُّشور

(اقبالؔ کا ایک شعر۔ قرآن کی روشنی میں)

شاعری کے سلسلے میں اقبالؔ کا مطمحِ نظر یہ تھا کہ ؎

شانِ خلیلؑ ہوتی ہے اس کے کلام سے عیاں
کرتی ہے اس کی قوم جب اپنا شعار آذری

(بانگ درا: شاعر)

اقبال کا عہد عالمِ اسلام کی انتہائی پستی کا دور تھا۔ انھوں نے جب اُس کے اسباب و علل کا تجزیہ کیا تو وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ ؎

ہے میرے سینۂ بے نور میں اب کیا باقی
لاالٰہ مُردہ و افسردہ و بے ذوق نمود!

(ضربِ کلیم: مسجد قوّت الاسلام)

چنانچہ انہوں نے اپنے اردو کلام میں مختلف طریقوں سے مسلمانوں میں وہ جذبۂ ایمانی پیدا کرنے کی کوشش کی جو لاالٰہ کے وارثوں کو وراثت میں ملی تھی۔ وہ اس پر ایمان رکھتے تھے کہ:۔

"تم میں کچھ لوگ تو ایسے ضرور ہونے چاہئیں جو نیکی کی طرف بلائیں بھلائی کا حکم دیں اور برائی سے روکتے رہیں۔ جو لوگ یہ کام کریں گے وہی فلاح پائیں گے"۔

(سورۃ اٰلِ عمران ۳۔ رکوع ۱۱)

اِسی جذبۂ ایمانی سے سرشار ان کا درج ذیل شعر ہے جو اس مضمون کا موضوع

سخن ہے ؎

مصلحتاً کہہ دیا میں نے مسلماں تجھے
ترے نفس میں نہیں گرمیٔ یوم النشور

(ضربِ کلیم : غزل)

اقبال نے انہی خیالات کا اعادہ زیادہ واضح طور پر ان اشعار میں بھی کیا ہے :۔

خوب ہے تجھکو شعار صاحبِ یثرب کا پاس
کہہ رہی ہے زندگی تیری کہ تو مسلم نہیں

(بانگِ درا : تضمین بر شعر ابو طالب کلیمؔ)

یوں تو سیّد بھی ہو مرزا بھی ہو افغاں بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو بتاؤ تو مسلمان بھی ہو؟

(بانگ درا: "جواب شکوہ")

"ضربِ کلیم" کے مندرجہ بالا شعر میں "مصلحتاً" مسلمان کہے جانے کی وجہ اقبالؔ نے یہ بتائی ہے کہ تمہارے نفس میں "مگرمیٔ یوم النشور" نہیں۔ ویسے تو "یوم النشور" کے معنی قیامت کے دن کے معروف ہیں۔ لیکن شعر کے لہجہ سے ظاہر ہے کہ اقبال نے لفظ "نشور" کو خاص اس پس منظر میں استعمال کیا ہے جو قرآن میں وارد ہوا ہے۔ یعنی دوبارہ زندہ کیے جانے کا دن۔ جو ان آیات سے ماخوذ ہے :۔

"وہی تو ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو تابع کر رکھا ہے۔ چلو اس کی چھاتی پر اور کھاؤ خدا کا رزق۔ اس کے حضور میں دوبارہ زندہ ہو کر جانا ہے (وَاِلَیْہِ النُّشُوْرُ) کیا تم اس سے بے خوف ہو کہ وہ جو آسمان میں ہے تمہیں زمین میں دھنسا دے اور یکایک یہ زمین تمہیں لے کھانے لگے؟ کیا تم اس سے بے خوف ہو کہ وہ جو آسمان میں ہے تم پر پتھراؤ کرنے والی ہوا بھیج دے؟ پھر تمہیں معلوم ہو جائے

گا کہ میری تنبیہہ کیسی ہوتی ہے"۔

(سورۃ الملک ۶۷۔ رکوع ۲)

ایسے تو مسلمان ہر وہ شخص کہلاتا ہے جس نے کلمۂ طیبہ پڑھ لیا یا جو مسلمان گھرانہ میں پیدا ہوا مگر اصحاب ظواہر اس کے مسلمان ہونے یا نہ ہونے پر کوئی رائے: اس کی روزانہ زندگی اس کے عمل: فعل اور قول پر ہی: قائم کرتے ہیں جس کا معیار اقبالؔ نے "صاحبِ سیرب کا پاس" بتایا ہے۔ مسلمان بننے اور کہلائے جانے کے جو شرائط قرآن میں بتائی گئی ہیں ان میں چند یہ ہیں:۔

"اے نبیؐ، ان سے کہو: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ دین کو اللہ کے لئے خالص کر کے اس کی بندگی کروں (قُلْ اِنِّیْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰہَ مُخْلِصًا لَّہُ الدِّیْنَ)۔ اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ سب سے پہلے میں خود مسلمان بنوں (وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَکُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِیْنَ)۔ کہو: اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے ایک بڑے دن کے عذاب کا خوف ہے (قُلْ اِنِّیْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ)۔" کہہ دو کہ: میں تو اپنے دین کو اللہ کے لئے خالص کر کے اسی کی بندگی کروں گا۔ تم اس کے سوا جس جس کی بندگی کرنا چاہو کرتے رہو:۔

(سورۃ الزمر ۳۹۔ رکوع ۲)

"اے نبیؐ .... کہو: میری نماز میرے تمام مراسم عبودیت میرا جینا اور مرنا سب کچھ اللہ رب العالمین کے لئے ہے جس کا کوئی شریک نہیں اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور سب سے پہلے سر اطاعت جھکانے والا میں ہوں (وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ)"۔

(سورۃ الانعام ۶۔ رکوع ۲۰)

"اے نبیؐ، یہ کتاب ہم نے تمہاری طرف برحق نازل کی ہے۔ لہٰذا تم اللہ ہی کی بندگی کرو۔ دین کو اسی کے لئے خالص کرتے ہوئے

(فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ) خبردار دین خالص اللہ کا حق ہے (اَللّٰهُ الدِّيْنُ الْخَالِصُ) قبل اس کے کہ وہ دن آئے جس کے ٹل جانے کی کوئی صورت اللہ کی طرف سے نہیں ہے۔ اس دن لوگ پھٹ کر ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں گے۔"

(سورۃ الزمر ۳۹۔ رکوع ۵)

"اس حضرت ابراہیمؑ کا حال یہ تھا کہ جب اس کے رب نے اس سے کہا: "مسلم ہو جا (اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ)" تو اس نے کہا: "میں مالکِ کائنات کا مسلم ہو گیا (قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ)"۔

(سورۃ البقرہ ۲۔ رکوع ۱۶)

"اس یعقوب، نے اپنی اولاد کو وصیت کی تھی کہ: میرے بچو، اللہ نے تمہارے لئے یہی دین پسند کیا ہے۔ لہٰذا مرتے دم تک مسلم ہی رہنا۔"

(سورۃ البقرہ ۲۔ رکوع ۱۶)

ایک مفسر نے "مسلم" کی تشریح اس طرح کی ہے:۔

"وہ جو خدا کے آگے سر اطاعت خم کر دے، خدا ہی کو اپنا مالک، آقا حاکم اور معبود مان لے۔ جو اپنے آپ کو بالکلیہ خدا کے سپرد کر دے اور اسی ہدایت کے مطابق دنیا میں زندگی بسر کرے۔ جو خدا کی طرف سے آئی ہو۔ اس عقیدے اور اس طرزِ عمل کا نام "اسلام" ہے اور یہی تمام انبیاء کا دین تھا جو ابتدائے آفرینش سے دنیا کے مختلف ملکوں اور قوموں میں آئے۔"

یہ تشریح دلالت کرتی ہے متذکرہ بالا آیات پر جس میں مسلمان بننے اور کہلانے کے لئے اپنا رخ مضبوطی کے ساتھ دین کو صرف اللہ ہی کے لئے خالص کر کے جما دینا قرار پایا اور یہ تاکید بھی کہ اللہ کی رسی یعنی دین کو مضبوطی سے پکڑے رہنا اور اللہ سے

اس طرح ڈرنا جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ قبل اس کے کہ وہ دن آئے جس کے ٹلنے کی صورت نہیں۔

دوسرے الفاظ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ایمان نام ہے اللہ پر ایمان اور آخرت پر ایمان کا۔ ایمان کے باقی اجزا خود بخود ایمان کی اس زنجیر میں پروتے چلے جاتے ہیں جس کے اندر دونوں باتوں کی کمی پائی جائے اقبال ایسے لوگوں کو "مصلحتا" مسلمان کہنے پر اپنے آپ کو مجبور پاتے ہیں۔ اس لئے کہ ایسے شخص میں وہ "گرمیٔ یوم النشور" نہیں پاتے

چونکہ دین انسان کی طرز زندگی کا ایک جامع نام ہے اس لئے اس طرز عمل سے منحرف پاکر اقبال مسلمانوں پر طنز کرتے ہیں ؎

کہہ رہی ہے زندگی تیری کہ تو مسلم نہیں

ایک مسلمان کے طرز عمل کے متعلق قرآن میں ارشاد ہے :۔

"بھلا یہ کس طرح ممکن ہے کہ وہ شخص جو تمہارے رب سے اس کتاب کو جو اس نے تم (نبیؐ) پر نازل کی ہے حق جانتا ہے اور وہ شخص جو اس حقیقت کی طرف سے اندھا ہے دونوں یکساں ہو جائیں؟۔ نصیحت تو دانشمند لوگ ہی قبول کرتے ہیں اور ان کا طرز عمل یہ ہوتا ہے کہ اللہ کے ساتھ اپنے عہد کو پورا کرتے ہیں۔ اسے مضبوط باندھنے کے بعد توڑ نہیں ڈالتے ہیں۔ انکی روش یہ ہوتی ہے کہ اللہ نے جن جن روابط کو برقرار رکھنے کا حکم دیا ہے انہیں برقرار رکھتے ہیں۔ اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور اس بات کا خوف رکھتے ہیں کہ کہیں ان سے بری طرح حساب نہ لیا جائے ان کا حال یہ ہوتا ہے کہ اپنے رب کی رضا کے لئے صبر سے کام لیتے ہیں نماز قائم کرتے ہیں۔ ہمارے دئے ہوئے رزق سے اعلانیہ اور پوشیدہ خرچ کرتے ہیں اور برائی کو بھلائی سے دفع کرتے ہیں۔ آخرت کا گھر انہی لوگوں کے لئے ہے۔"

(سورۃ الرعد ۱۳ - رکوع ۳)

"کیا اس شخص کی روش بہتر ہے یا اس شخص کی) جو مطیع فرماں ہے رات کی گھڑیوں میں کھڑا رہتا ہے اور سجدے کرتا ہے۔ آخرت سے ڈرتا ہے اور اپنے رب کی رحمت سے امید لگاتا ہے۔ ان سے پوچھو کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے دونوں کبھی یکساں ہو سکتے ہیں؟ نصیحت تو عقل رکھنے والے ہی قبول کرتے ہیں۔"

(سورۃ الزمر ۳۹ رکوع ۱)

"کیا وہ شخص جس کا سینہ اللہ نے اسلام کیلئے کھول دیا اور وہ اپنے رب کی طرف سے ایک روشنی پہ چل رہا ہے (اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جس نے ان باتوں سے کوئی سبق نہ لیا)۔ تباہی ہے ان لوگوں کے لئے جن کے دل اللہ کی نصیحت سے اور زیادہ سخت ہو گئے۔ وہ کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔

(سورۃ الزمر ۳۹۔ رکوع ۳)

"اگر کوئی اللہ کی بندگی کو اپنے لئے عار سمجھتا ہے اور تکبر کرتا ہے تو ایک وقت آئے گا جب اللہ سب کو گھیر کر اپنے سامنے حاضر کرے گا۔ اس وقت وہ لوگ جنھوں نے ایمان لا کر نیک طرز عمل اختیار کیا ہے اپنے اجر پورے کے پورے پائیں گے اور اللہ اپنے فضل سے ان کو مزید اجر عطا فرمائے گا۔ اور جن لوگوں نے بندگی کو عار سمجھا اور تکبر کیا ہے ان کو اللہ دردناک سزا دے گا۔"

(سورۃ النسآء ۴۔ رکوع ۲۴)

اللہ کا ڈر اور "یوم النشور" پر ایمان ہی نفس کی گرمی ہے اور بقول اقبال جس میں یہ گرمی نہیں وہ مسلمان کہلانے کا مستحق نہیں اللہ سے ڈرنے کے متعلق چند آیات درج ذیل ہیں

"اے نبیؐ کہو کہ: اے میرے بندے جو ایمان لائے ہو اپنے رب سے ڈرو۔ جن لوگوں نے اس دنیا میں نیک رویہ اختیار کیا ہے ان کے لئے بھلائی ہے۔"

(سورۃ الزمر ۳۹۔ رکوع ۲)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ سے ڈرو، امید ہے فلاح پاؤ گے۔ اس آگ سے بچو جو کافروں کے لئے مہیا کی گئی ہے۔ اللہ اور رسول کی اطاعت کرو۔ توقع ہے کہ تم پر رحم کیا جائے گا۔ دوڑ کر چلو اس راہ پر جو تمہارے رب کی بخشش اور اس جنت کی طرف جاتی ہے جس کی وسعت زمین اور آسمان جیسی ہے اور وہ ..... خدا ترس لوگوں کے لئے مہیا کی گئی ہے۔"

(سورۃ اٰلِ عمران ۳۔ رکوع ۱۴)

"تم انسانوں سے نہ ڈرنا۔ مجھ سے ڈرنا اگر تم حقیقت میں صاحبِ ایمان ہو۔"

(سورۃ اٰلِ عمران ۳۔ رکوع ۱۸)

"جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے ہوئے زندگی بسر کرتے ہیں ان کے لئے ایسے ایسے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ان باغوں میں وہ ہمیشہ رہیں گے اللہ کی طرف سے یہ سامان ضیافت ہے ان کے لئے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے نیک لوگوں کے لئے وہی سب سے بہتر ہے۔"

(سورۃ اٰلِ عمران ۳۔ رکوع ۲۰)

"اللہ سے ڈرو۔ اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔"

(سورۃ الحشر ۵۹۔ رکوع ۱)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ تم کو موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلم ہو"

(سورۃ اٰلِ عمران ۳۔ رکوع ۱۱)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ سے ڈرو۔ اور ہر شخص یہ دیکھے کہ اس نے کل کے لئے کیا سامان کیا ہے۔ اللہ سے ڈرتے رہو۔ اللہ یقیناً تمہارے ان سب اعمال سے باخبر ہے جو تم کرتے ہو۔ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اللہ کو بھول گئے تو اللہ نے انہیں خود اپنا نفس بھلا دیا۔ یہی لوگ فاسق ہیں۔ دوزخ میں جانے والے اور جنت میں جانے والے کبھی یکساں نہیں ہو سکتے۔ جنت میں جانے والے اصل کامیاب ہیں"۔

(سورۃ الحشر ۵۹۔ رکوع ۳)

"حقیقت میں جو لوگ اپنے رب کے خوف سے ڈرنے والے ہوتے ہیں جو اپنے رب کی آیات پر ایمان لاتے ہیں جو اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے اور جن کا حال یہ ہے کہ دیتے ہیں جو کچھ بھی دیتے ہیں اور دل ان کے اس خیال سے کانپتے رہتے ہیں کہ ہمیں اپنے رب کی طرف پلٹنا ہے وہی بھلائیوں کی طرف دوڑتے والے اور سبقت کر کے انہیں پانے والے ہیں"۔

(سورۃ المومنین ۲۳۔ رکوع ۴)

"پلٹ آؤ اپنے رب کی طرف اور مطیع بن جاؤ اس کے۔ قبل اس کے کہ تم پر عذاب آ جائے۔ پھر کہیں سے تمہیں مدد نہ مل سکے

پیروی اختیار کرو اپنے رب کی بھیجی ہوئی کتاب کے بہترین پہلو کی قبل اس کے کہ تم پر اچانک عذاب آئے اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔"

(سورۃ الزمر ۳۹۔ رکوع ۶)

"اللہ نے بہترین کلام اتارا ہے۔ ایک ایسی کتاب جس کے تمام اجزا ہمرنگ ہیں اور جس میں بار بار مضامین دہرائے گئے ہیں۔ اسے سن کر ان لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرنے والے ہیں۔ اور پھر ان کے جسم اور ان کے دل نرم ہو کر اللہ کے ذکر کی طرف راغب ہو جاتے ہیں۔"

(سورۃ الزمر ۳۹۔ رکوع ۳)

"مان لو اپنے رب کی بات قبل اس کے کہ وہ دن آئے جس کے ٹلنے کی کوئی صورت اللہ کی طرف سے نہیں ہے۔ اس دن تمہارے لئے کوئی جائے پناہ نہ ہوگی اور نہ کوئی تمہارے حال کو بدلنے کی کوشش کرنے والا ہوگا۔"

(سورۃ الشوریٰ ۴۲۔ رکوع ۵)

"آنے والی گھڑی قریب آگئی ہے۔ اللہ کے سوا کوئی اس کو ہٹانے والا نہیں۔ اب کیا یہی باتیں ہیں جن پر تم اظہار تعجب کرتے ہو، ہنستے ہو اور روتے نہیں ہو اور گا بجا کر انہیں ٹالتے ہو؟ جھک جاؤ اللہ کے آگے اور بندگی بجا لاؤ۔"

(سورۃ النجم ۵۳۔ رکوع ۳)

"پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس روشنی پر جو ہم نے نازل کی ہے۔ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔ (اس کا پتہ تمہیں اس روز چل جائے گا) جب اجتماع کے دن وہ

سب کو اکٹھا کرے گا۔ وہ دن ہو گا ایک دوسرے کے مقابلے میں
لوگوں کی ہار جیت کا۔

(سورۃ التغابن ۶۴۔ رکوع ۱)

اب اس شخص کی بدحالی کا تم (نبی) کیا اندازہ کر سکتے ہو جو قیامت
کے روز عذاب کی سخت مار اپنے منہ پر لے گا"

(سورۃ الزمر ۳۹۔ رکوع ۳)

یہ تھی چند آیات اللہ سے ڈرنے کے متعلق۔ اب ذیل میں چند آیات
آخرت پر ایمان یعنی خدا کے حضور حاضری پر ایمان کے متعلق درج کی جا رہی ہیں کیونکہ
انہیں دونوں پر ایمان رکھنے سے نفس میں "گرمئ یوم النشور" برقرار رہتی ہے:-

"یقین مانو کہ نبی عربی کو ماننے والے ہوں یا یہودی عیسائی ہوں
یا صابی جو بھی اللہ اور روز آخر پر ایمان لائے گا اور نیک عمل کرے گا
اس کا اجر اس کے رب کے پاس ہے اور اس کے لئے خوف و رنج
کا موقع نہیں ہے"

(سورۃ البقرہ ۲۔ رکوع ۸)

"آگاہ رہو، یہ لوگ (کافر و منکر) اپنے رب کی ملاقات میں شک
رکھتے ہیں۔ سن رکھو وہ (اللہ) ہر چیز پر محیط ہے"

(سورۃ حٰمٓ السجدۃ ۴۱۔ رکوع ۶)

"ہم ان لوگوں کو جو ہم سے ملنے کی توقع نہیں رکھتے ان کو سرکشی میں
بھٹکنے کے لئے چھوڑ دیتے ہیں"

(سورۃ یونس ۱۰۔ رکوع ۲)

"حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ ہم سے ملنے کی توقع نہیں رکھتے اور دنیا
کی زندگی ہی پر راضی اور مطمئن ہو گئے ہیں اور جو لوگ ہماری نشانیوں

سے غافل ہیں ان کا آخری ٹھکانہ جہنم ہوگا۔ ان برائیوں کے پاداش میں جن کا اکتساب وہ (اپنے اس غلط عقیدے اور غلط طرز عمل کی وجہ سے) کرتے رہے "۔

(سورۃ یونس ۱۰۔ رکوع ۱)

"قیامت کے روز آخرت پر ایمان نہ رکھنے والوں سے اللہ تعالےٰ پوچھے گا: بتاؤ..... کیا تم نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ ہم نے تمہیں فضول پیدا کیا ہے اور تمہیں ہماری طرف کبھی پلٹنا ہی نہیں ہے؟"

(سورۃ المؤمنون ۲۳۔ رکوع ۶)

"جو لوگ آخرت کو نہیں مانتے ان کے دلوں میں انکار بس کر رہ گیا ہے اور وہ گھمنڈ میں پڑ کر رہ گئے ہیں۔ اللہ یقیناً ان کے سب کرتوت جانتا ہے۔ چھپے ہوئے بھی اور کھلے ہوئے بھی۔ وہ ان لوگوں کو ہرگز پسند نہیں کرتا جو عزور نفس میں مبتلا ہوں"۔

(سورۃ النحل ۱۶۔ رکوع ۳)

"آخر کار تم سب کو اپنے رب کیطرف پلٹنا ہے۔ پھر وہ تمہیں بتا دے گا کہ تم کیا کرتے رہے ہو۔ وہ تو دلوں کے حال تک جانتا ہے"۔

(سورۃ الزمر ۳۹۔ رکوع ۴)

"جو لوگ آخرت کو نہیں مانتے وہ راہ راست سے ہٹ کر چلنا چاہتے ہیں"۔

(سورۃ المؤمنون ۲۳۔ رکوع ۴)

"دنیا کا سرمایۂ زندگی تھوڑا ہے اور آخرت ایک خدا ترس انسان کے لئے زیادہ بہتر ہے"۔

(سورۃ النساء ۴۔ رکوع ۱۱)

"جو لوگ آخرت کو مانتے ہیں وہ اس کتاب پر ایمان لاتے ہیں اور ان کا حال یہ ہے کہ اپنی نمازوں کی پابندی کرتے ہیں"

(سورۃ الانعام ۶۔ رکوع ۱۱)

"اور دوزخ کے لوگ جنت والوں کو پکاریں گے کہ تھوڑا سا پانی ہم پر ڈال دو یا جو رزق اللہ نے تمہیں دیا ہے اس میں سے کچھ پھینک دو۔ وہ جواب دیں گے کہ اللہ نے یہ دونوں چیزیں ان منکرین حق پر حرام کر دی ہیں جنھوں نے اپنے دین کو کھیل اور تفریح بنا لیا تھا اور جنھیں دنیا کی زندگی نے فریب میں مبتلا کر رکھا تھا اللہ فرماتا ہے کہ آج ہم بھی انہیں اسی طرح بھلا دیں گے جس طرح وہ اس دن کی ملاقات کو بھولے رہے اور ہماری آیتوں کا انکار کرتے رہے"

(سورۃ الاعراف، ۔رکوع ۶)

"لوگ دنیا کی زندگی کا بس ظاہری پہلو جانتے ہیں اور آخرت سے وہ خود ہی غافل ہیں۔ کیا انہوں نے کبھی اپنے آپ میں غور و فکر نہیں کیا؟ اللہ نے زمین اور آسمانوں کو اور ان ساری چیزوں کو جو انکے درمیان ہیں برحق اور ایک مدت مقررہ ہی کے لئے پیدا کیا ہے۔ مگر بہت سے لوگ اپنے رب کی ملاقات کے منکر ہیں"

(سورۃ الروم ۳۰۔ رکوع ۱)

"اور ہمارے بندوں ابراہیمؑ اور اسحٰقؑ اور یعقوبؑ کا ذکر کرو۔ بڑی قوت عمل رکھنے والے اور دیدہ ور لوگ تھے۔ ہم نے ان کو ایک خاص صفت کی بنا پر برگزیدہ کیا تھا وہ دار آخرت کی یاد تھی۔

(سورۃ ص ۳۸۔ رکوع ۴)

"یہ مال و دولت محض حیاتِ دنیا کی متاع ہے اور آخرت تیرے رب کے یہاں صرف متقین کے لئے ہے۔"

(سورۃ الزخرف ۴۳ - رکوع ۲)

"طٰ - سٓ یہ آیات ہیں قرآن اور کتاب مبین کی - ہدایت اور بشارت ان ایمان والوں کے لئے جو نماز قائم کرتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور پھر وہ ایسے لوگ ہیں جو آخرت پر پورا یقین رکھتے ہیں۔

(سورۃ النمل ۲۷ - رکوع ۱)

"اے نبیؐ، ایمان لانے والوں سے کہدو کہ جو لوگ اللہ کی طرف سے برے دن آنے کا کوئی اندیشہ نہیں رکھتے ان کی حرکتوں پر درگذر سے کام لیں تاکہ اللہ خود ایک گروہ کو اس کی کمائی کا بدلہ دے - جو کوئی نیک عمل کرے گا اپنے ہی لئے کرے گا - اور جو برائی کرے گا وہ آپ ہی اس کا خمیازہ بھگتے گا - پھر جانا تو سب کو اپنے رب ہی کی طرف ہے۔"

(سورۃ الجاثیہ ۴۵ - رکوع ۲)

اقبالؔ جب کہتے ہیں کہ تمہیں مسلمان کہتے ہوئے اس لئے جھجھک محسوس ہوتی ہے - چونکہ تمہارے نفس میں نہ تو اللہ پر ایمان ہے اور نہ اس سے ملنے پر یقین - تو اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ تم رسول اللہ کا اتباع کرتے ہو اور نہ تمہیں "شعارِ صاحبِ یثربؐ" کا پاس ہی ہے اقبالؔ کے یہ تصورات خالص قرآنی ہیں جن پر آیات ذیل شاہد ہیں:-

"درحقیقت تم لوگوں کے لئے اللہ کے رسول ایک بہترین نمونہ تھے ہر اس شخص کے لئے جو اللہ اور یوم آخر کا امیدوار ہو - کثرت سے اللہ کو یاد کرے۔"

(سورۃ الاحزاب ۳۳ - رکوع ۳)

یہ آیات صاف بتا رہی ہیں کہ نفس میں "گرمیٔ یوم النشور" صرف رسول اللہ کی پیروی اور آپؐ کے اتباع ہی سے ممکن ہے۔ اور جو کوئی اللہ اور یوم آخر کا امیدوار ہو اسے "شعار صحابہ" شیرب کا پاس ہونا لازمی ہے اور جو اس نقش قدم پر نہیں چلتے اقبال کا یہ مصرعہ انہی لوگوں پر چسپاں ہوتا ہے:-

کہہ رہی ہے زندگی تیری کہ تو مسلم نہیں

اور دوسری جگہ فرمایا ہے:-

ہر کوئی مست مئے ذوق تن آسانی ہے
تم مسلماں ہو یہ اندازِ مسلمانی ہے؟

(بانگ درا: "جواب شکوہ")

اتباع رسولؐ، جیسے اقبال نے "اندازِ مسلمانی" کا نام دیا ہے، اس پر چند آیات درج ذیل ہیں:-

"جواب میں (موسیٰ کو ارشاد ہوا): سزا تو میں جسے چاہتا ہوں دیتا ہوں۔ مگر میری رحمت ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے۔ اسے میں ان لوگوں کے حق میں لکھوں گا۔ جو نافرمانی سے پرہیز کریں گے، زکوٰۃ دیں گے اور میری آیات پر ایمان لائیں گے۔"

(سورۃ الاعراف ۷۔ رکوع ۱۹)

"ہم نے تمہارے درمیان خود تم میں سے ایک رسول بھیجا جو تمہیں ہماری آیات سناتا ہے۔ تمہاری زندگیوں کو سنوارتا ہے تمہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تمہیں وہ باتیں سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے۔ لہٰذا تم مجھے یاد رکھو میں تمہیں یاد رکھوں گا۔ اور میرا شکر ادا کرو۔ کفرانِ نعمت نہ کرو۔"

(سورۃ البقرہ ۲۔ رکوع ۱۸)

"اللہ سے ڈرو اے صاحبِ عقل لوگو جو ایمان لائے ہو۔ اللہ نے تمہاری طرف ایک نصیحت نازل کر دی ہے۔ ایک ایسا رسول جو تم کو اللہ کی صاف صاف ہدایت دینے والی آیات سناتا ہے۔ تاکہ تم ایمان لانے والے اور نیک عمل کرنے والوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لے آئے۔"

(سورۃ الطلاق ۶۵ ۔ رکوع ۲)

"اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اگر تم مومن ہو۔"

(سورۃ الانفال ۸ ۔ رکوع ۱)

"یقیناً آخرت کا گھر ان لوگوں کے لئے اور زیادہ بہتر ہے جنھوں نے (پیغمبروں کی بات مان کر) تقویٰ کی روش اختیار کی۔ کیا اب بھی تم لوگ نہ سمجھو گے؟"

(سورۃ یوسف ۱۲ ۔ رکوع ۱۱)

نفس میں "گرمئ یوم النشور" پیدا کرنے کے لئے خدائے جل شانہٗ کا رسول اللہ کو ارشاد ہے:

"پس اے نبیؐ، تم ہرگز یہ گمان نہ کرو کہ اللہ کبھی اپنے رسولوں سے کئے ہوئے وعدے کے خلاف کرے گا۔ اللہ زبردست ہے اور انتقام لینے والا ہے۔ ڈراؤ انہیں اس دن سے جب کہ زمین اور آسمان بدل کر کچھ سے کچھ کر دئے جائیں گے اور سب کے سب اللہ واحد قہار کے سامنے بے نقاب حاضر ہو جائیں گے۔ اس روز تم مجرموں کو دیکھو گے کہ زنجیروں میں ہاتھ پاؤں جکڑے ہوئے ہوں گے۔ تارکول کے لباس پہنے ہوں گے اور آگ کے شعلے ان کے چہروں پر چھائے جا رہے ہوں گے۔ یہ اس لئے ہوگا کہ اللہ ہر متنفس کو اس کے کئے کا بدلہ دے اللہ کو حساب لیتے کچھ دیر نہیں لگتی۔" (سورۃ ابراہیم ۱۴ ۔ رکوع ۱۷)

مزید ارشاد ہے :-

"اور اے نبیؐ جس برے انجام کی دھمکی ہم ان لوگوں کو دے رہے ہیں اس کا کوئی حصہ خواہ ہم تمہارے جیتے جی دکھا دیں یا اس کے ظہور میں آنے سے پہلے ہم تمہیں اٹھا لیں - بہرحال تمہارا کام صرف پیغام پہنچا دینا ہے اور حساب لینا ہمارا کام ہے"

(سورۃ الرعد ۱۳ - رکوع ۶)

"اے نبیؐ میرے بندوں کو خبر دے دو کہ میں درگذر کرنے والا اور رحیم ہوں مگر اس کے ساتھ میرا عذاب بھی نہایت دردناک عذاب ہے"

(سورۃ الحجر ۱۵ - رکوع ۴)

سورۃ الاحزاب ۳۳ کے رکوع کی آیات گذر چکی ہیں کہ جو یوم آخر کا امیدوار ہو وہ رسول اللہؐ کی پیروی اختیار کرے - اسی سلسلہ میں خدائے تعالیٰ نے واضح طور پر ارشاد فرما دیا ہے کہ :-

(اے نبی) انہیں اس سے خبردار کر دو جب کہ ہر امت میں خود اسی کے اندر سے ایک گواہ اٹھا کھڑا کریں گے جو اس کے مقابلہ میں شہادت دے گا. اور ان لوگوں کے مقابلے میں شہادت دینے کے لئے ہم تمہیں بلائیں گے - اور (یہ اسی شہادت کی تیاری ہے کہ) ہم نے یہ کتاب تم پر نازل کر دی ہے - جو ہر چیز کی صاف صاف وضاحت کرنے والی ہے اور ہدایت و رحمت و بشارت ہے - ان لوگوں کے لئے جنھوں نے سر تسلیم خم کر دیا ہے"

(سورۃ النحل ۱۶ - رکوع ۱۲)

(قیامت کے موقع پر اللہ ان سے یہ بھی پوچھے گا کہ) "اے گروہِ

جن وانس، کیا تمہارے پاس خود تم میں سے ایسے رسول نہیں آئے تھے جو تم کو میری آیات سناتے اور اس دن کے انجام سے ڈراتے تھے؟ وہ کہیں گے: ہاں - ہم اپنے خلاف خود گواہی دیتے ہیں - آج دنیا کی زندگی نے ان لوگوں کو دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔ مگر اُس وقت وہ خود اپنے خلاف گواہی دیں گے کہ وہ کافر تھے۔"

(سورۃ الانعام ۶۔ رکوع ۱۶)

"پس یہ ضرور ہو کر رہنا ہے کہ ہم ان لوگوں سے باز پرس کریں جن کی طرف پیغمبر بھیجے ہیں اور پیغمبروں سے بھی پوچھیں (کہ انہوں نے پیغام رسانی کا فرض کہاں تک انجام دیا اور انہیں اس کا کیا جواب ملا) پھر ہم خود پورے علم کے ساتھ ساری سرگزشت ان کے آگے پیش کر دیں گے۔ آخر ہم کہیں غائب تو نہیں تھے۔"

(سورۃ الاعراف ۷۔ رکوع ۱)

"یہ (روزِ حشر) وہ دن ہوگا جب اللہ اپنے نبی کو اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ ایمان لائے ہیں رسوا نہ کرے گا۔ ان کا نور انکے آگے آگے اور ان کے دائیں جانب دوڑ رہا ہوگا۔"

(سورۃ التحریم ۶۶۔ رکوع ۲)

"خدا کا حکم ہے کہ:-

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ اور اس کے رسول کی پکار پر لبیک کہو جب کہ رسولؐ تمہیں اس چیز کی طرف بلائے جو تمہیں زندگی بخشنے والی ہے اور جان رکھو کہ اللہ آدمی اور اس کے دل کے درمیان حائل ہے۔ اور اسی کی طرف تم سمیٹے جاؤ گے اور بچو اس فتنے سے جس کی شامت مخصوص طور پر صرف انہی لوگوں

تک محدود نہ رہے گی جنھوں نے تم میں سے گناہ کیا ہو۔ اور جان رکھو کہ اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔"

(سورۃ الانفال ۸۔ رکوع ۳)

رسول کی پکار پر لبیک کہنے والوں کا اجمالی خاکہ جن کے نفس میں "گرمیٔ یوم النشور" ہے قرآن مجید میں مختلف طریقوں سے مختلف مقامات پر وارد ہوا ہے۔ مضمون کی مناسبت سے چند آیات پیش کی جاتی ہیں:۔

"زمین اور آسمانوں کی پیدائش میں، رات اور دن کی باری باری سے آنے میں ان ہوش مند لوگوں کے لئے بہت نشانیاں ہیں جو اٹھتے بیٹھتے اور لیٹتے ہر حال میں خدا کو یاد کرتے ہیں اور زمین اور آسمانوں کی ساخت میں غور و فکر کرتے ہیں (وہ بے اختیار بول اٹھتے ہیں) پروردگار! یہ سب کچھ تو نے فضول اور بے مقصد نہیں بنایا ہے۔ تو پاک ہے اس سے کہ عبث کام کرے۔ پس اے رب! ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا لے۔ تو نے جسے دوزخ میں ڈالا اسے درحقیقت بڑی ذلت اور رسوائی میں ڈال دیا اور پھر ایسے ظالموں کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔ مالک ہم نے ایک پکارنے والے کو سنا جو ایمان کی طرف بلاتا تھا اور کہتا تھا کہ اپنے رب کو مانو۔ ہم نے اس کی دعوت قبول کر لی۔ پس اے ہمارے آقا! جو قصور ہم سے ہوئے ہیں ان سے درگذر فرما جو برائیاں ہم میں ہیں انہیں دور کر دے اور ہمارے خاتمہ نیک لوگوں کے ساتھ کر۔ خداوندا! جو وعدے تو نے اپنے رسولوں کے ذریعے سے کئے ہیں ان کو ہمارے ساتھ پورا کر اور قیامت کے دن ہمیں رسوائی میں نہ ڈال۔ بیشک تو اپنے وعدے کے خلاف کرنے والا نہیں ہے۔"

(سورۃ آلِ عمران ۳۔ رکوع ۲۰)

جس مردِ خدا کا اجمالی خاکہ مندرجہ بالا آیات میں ملتا ہے اس کی ترجمانی اقبال کے ان اشعار میں ملتی ہے:۔

اے حلقۂ درویشاں وہ مردِ خدا کیسا
ہو جس کے گریباں میں ہنگامۂ رستاخیز!
جو ذکر کی گرمی سے شعلہ کی طرح روشن
جو فکر کی سُرعت میں بجلی سے زیادہ تیز!

("بالِ جبریل": غزل ۲)

بتاؤں تجھ کو مسلماں کی زندگی کیا ہے
یہ ہے نہایتِ اندیشہ و کمالِ جنوں!

(ضربِ کلیم: "مدنیّتِ اسلام")

مقامِ فکر ہے پیمائشِ زماں و مکاں
مقامِ ذکر ہے سبحان ربی الاعلیٰ!

(ضربِ کلیم: "ذکر و فکر")

کسے خبر کہ ہنگامۂ نشور ہے کیا
تیری نگاہ کی گردش ہے میری رستاخیز!

("بالِ جبریل": غزل ۱۲)

الغرض مسلمان کی زندگی عبادت ہے:۔

"جو اٹھتے بیٹھتے اور لیٹتے ہر حال میں خدا کو یاد کرتے ہیں"

اور

"زمین اور آسمان کی ساخت میں غور و فکر کرتے ہیں" جسے اقبال نے علی الترتیب کمالِ جنوں اور نہایتِ اندیشہ سے تعبیر کیا ہے اور یہی ہے "گرمیٔ یوم النشور"۔ چونکہ اقبال نے مسلمانوں کے نفس کو یوم النشور کی یاد دلا کر وہ جذبۂ

ایمانی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے جو ایک مومن کی شان اور پہچان ہے اس لئے ذیل میں چند ایسی آیات درج کی جارہی ہیں جن کی یاد دلانی ہی اقبال کا مقصود ہے :-

"فکر اس دن کی ہونی چاہیے جب کہ ہم پہاڑوں کو چلائیں گے اور تم زمین کو بالکل برہنہ پاؤ گے ۔ ہم تمام انسانوں کو اس طرح گھیر کر جمع کر دیں گے کہ (اگلوں پچھلوں میں سے) ایک بھی نہ چھوٹے گا اور سب کے سب تمہارے رب کے حضور صف در صف پیش کئے جائیں گے ۔ لو دیکھ لو ۔ آ گئے نا ہم تمہارے پاس اسی طرح جیسا ہم نے تم کو پہلی بار پیدا کیا تھا ۔ تم نے یہ سمجھا تھا کہ ہم نے تمہارے لئے کوئی وعدے کا وقت مقرر ہی نہیں کیا ہے اور نامۂ اعمال سامنے رکھ دیا جائے گا ۔ اسوقت تم دیکھو گے کہ مجرم لوگ اپنی کتاب زندگی کے اندراجات سے ڈر رہے ہوں گے اور کہہ رہے ہوں گے کہ "ہائے ہماری کم بختی یہ کیسی کتاب ہے کہ ہماری کوئی چھوٹی بڑی حرکت ایسی نہیں رہی جو اس میں درج نہ کی گئی ہو جو کچھ انہوں نے کیا تھا وہ سب اپنے سامنے حاضر پائیں گے اور تیرا رب کسی پر ظلم نہ کرے گا"

(سورۃ الکھف ۱۸ ۔ رکوع ۶)

"اور کیا گزرے گی اس روز جب صور پھونکا جائے گا اور ہول کھا جائیں گے وہ سب جو آسمانوں اور زمین میں ہیں سوائے ان لوگوں کے جنھیں اللہ اس ہول سے بچانا چاہے گا ۔ اور سب کان دبائے اس کے حضور حاضر ہو جائیں گے ۔ آج تو پہاڑوں کو دیکھتا ہے اور سمجھتا ہے کہ خوب جمے ہوئے ہیں مگر اس وقت یہ بادلوں کی طرح اڑ رہے ہوں گے ۔ یہ اللہ کی قدرت کا کرشمہ ہوگا جس نے ہر چیز کو حکمت کے ساتھ استوار کیا ہے ۔ اور خوب جانتا ہے

کہ تم لوگ کیا کرتے ہو۔ جو شخص بھلائی لے کر آئے گا اس سے زیادہ بہتر صلہ ملے گا اور ایسے لوگ اس دن کے ہَول سے محفوظ ہوں گے اور جو برائی لئے ہوئے آئے گا ایسے سب لوگ اوندھے منہ آگ میں پھینکے جائیں گے۔ کیا تم لوگ اس کے سوا کوئی اور جزا پا سکتے ہو کہ جیسا کرو ویسا بھرو۔"

(سورۃ النمل، ۲۷ رکوع ۷)

"وہ دن جب کہ آسمان کو یوں لپیٹ کر رکھ دیں گے جیسے طومار میں اوراق لپیٹے جاتے ہیں۔ جس طرح پہلے ہم نے تخلیق کی ابتدا کی تھی اسی طرح ہم پھر اس کا اعادہ کریں گے۔ یہ ایک وعدہ ہے ہمارے ذمے اور یہ کام ہمیں بہر حال کرنا ہے۔ اور زبور میں ہم نصیحت کے بعد یہ لکھ چکے ہیں کہ زمین کے وارث ہمارے نیک بندے ہوں گے اس میں ایک بڑی خبر ہے عبادت گزار لوگوں کے لئے۔"

(سورۃ الانبیاء ۲۱۔ رکوع ۷)

"اب یہ ظالم لوگ جو کچھ کر رہے ہیں اللہ کو تم اس سے غافل نہ سمجھو اللہ تو انہیں ٹال رہا ہے۔ اس دن کے لئے جب حال یہ ہوگا کہ آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی ہیں، سر اٹھائے بھاگے چلے جا رہے ہیں، نظریں اوپر جمی ہیں اور دل اڑے جاتے ہیں۔ اے نبیؐ، اس دن سے تم انہیں ڈرا دو جب کہ عذاب انہیں آئے گا۔"

(سورۃ ابراہیم ۱۴۔ رکوع ۷)

"ان لوگوں نے اللہ کی قدر ہی نہ کی جیسا اس کی قدر کرنے کا حق ہے (اس کی قدرت کاملہ کا تو حال یہ ہے کہ) قیامت کے روز پوری زمین اس کی مٹھی میں ہوگی اور آسمان اس کے دستِ راست

میں پیٹھے ہوئے ہوں گے۔ پاک اور بالاتر ہے وہ اس شرک سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔ اس روز صور پھونکا جائے گا اور سب مر کر گر جائیں گے جو آسمانوں اور زمین میں ہیں سوائے ان کے جنھیں اللہ زندہ رکھنا چاہے۔ پھر ایک دوسرا صور پھونکا جائے گا اور یکایک سب کے سب اٹھ کر دیکھنے لگیں گے۔ زمین اپنے رب کے نور سے چمک اٹھے گی۔ کتابِ اعمال رکھ دی جائے گی۔ انبیاء اور تمام گواہ حاضر کر دئے جائیں گے۔ لوگوں کے درمیان ٹھیک ٹھیک حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا۔ ان پر کوئی ظلم نہ ہوگا اور ہر متنفّس کو جو کچھ اس نے عمل کیا تھا اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائیگا۔ لوگ جو کچھ بھی کرتے ہیں اللہ اس کو خوب جانتا ہے"۔

(سورۃ الزمر ۳۹۔ رکوع ۷)

"اور سنو جس دن منادی کرنے والا (ہر شخص کے) قریب ہی سے پکارے گا۔ جس دن سب لوگ آوازۂ حشر کو ٹھیک ٹھیک سن رہے ہوں گے۔ وہ زمین سے مردوں کے نکلنے کا دن ہوگا۔ ہم ہی زندگی بخشتے ہیں اور ہم ہی موت دیتے ہیں اور ہماری طرف ہی اس دن سب کو پلٹنا ہے۔ جب زمین پھٹے گی اور لوگ اس کے اندر سے نکل کر تیز تیز بھاگے جا رہے ہوں گے۔ یہ حشر ہمارے لئے بہت آسان ہے"۔

(سورۃ قٓ ۵۰۔ رکوع ۳)

"نہیں۔ میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی اور نہیں میں قسم کھاتا ہوں ملامت کرنے والے نفس کی۔ کیا انسان یہ سمجھ رہا ہے کہ ہم اس کی ہڈیوں کو جمع نہ کر سکیں گے؟ کیوں نہیں۔ ہم تو اس کی

انگلیوں کے پور پور تک ٹھیک بنا دینے پر قادر ہیں۔ مگر انسان چاہتا ہے کہ آگے بھی بداعمالیاں کرتا رہے"۔

(سورۃ القیامۃ ۷۵۔ رکوع ۱)

"لوگو! بچو۔ اپنے رب کے غضب سے اور ڈرو اس دن سے جب کہ کوئی باپ اپنے بیٹے کی طرف سے بدلہ نہ دے گا اور نہ کوئی بیٹا ہی اپنے باپ کی طرف سے کچھ بدلہ دینے والا ہوگا فی الواقع اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ پس یہ دنیا کی زندگی تمہیں دھوکے میں نہ ڈالے اور نہ دھوکے باز تم کو اللہ کے معاملے میں دھوکہ دینے پائے"۔

(سورۃ لقمٰن ۳۱۔ رکوع ۴)

"جب زمین پے در پے کوٹ کوٹ کر ریگ زار بنا دی جائے گی اور تمہارا رب جلوہ فرما ہوگا اس حال میں کہ فرشتے صف در صف کھڑے ہوں گے اور جہنم اس روز سامنے لے آئی جائے گی۔ اس دن انسان کو سمجھ آئے گی اور اس وقت اس کے سمجھنے کا کیا حاصل؟ وہ کہے گا کہ: "کاش میں نے اپنی اس زندگی کے لئے پیشگی سامان کیا ہوتا۔ پھر اس دن اللہ جو عذاب دے گا ویسا عذاب دینے والا کوئی نہیں۔ اور اللہ جیسا باندھے گا ویسا باندھنے والا کوئی نہیں۔

"(دوسری طرف ارشاد ہوگا) اے نفس مطمئن! چل اپنے رب کی طرف اس حال میں کہ تو (اپنے انجام نیک سے) خوش اور اپنے نزدیک پسندیدہ ہے۔ شامل ہو جا میری جنت میں"۔

(سورۃ الفجر ۸۹۔ رکوع ۱)

اقبال کے جو اشعار اس مضمون کے شروع میں درج کئے گئے

ہیں ان میں ایک طرح کی جھنجھلاہٹ نظر آتی ہے اور وہ مسلمانوں کے طرزِ عمل اور دین سے ان کی بیگانگی پر حد درجہ متفکر معلوم ہوتے ہیں شاید ان کے ذہن میں درج ذیل آیات ہی ہوں جنھوں نے انہیں ایسے اشعار کافی وقفوں کے بعد بار بار کہنے پر مجبور کیا :-

" یقیناً خدا کے نزدیک بدترین قسم کے جانور وہ بہرے گونگے لوگ ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے "۔

(سورۃ الانفال ۸ ۔ رکوع ۳)

" حقیقت یہ ہے کہ بہت سے جن اور انسان ایسے ہیں جن کو ہم نے جہنم ہی کے لئے پیدا کیا ہے ۔ ان کے پاس دل ہیں مگر وہ ان سے سوچتے نہیں ۔ ان کے پاس کان ہیں مگر وہ ان سے سنتے نہیں وہ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گئے گذرے ۔ یہ وہ لوگ ہیں جو غفلت میں کھو گئے ہیں "۔

(سورۃ الاعراف ۷ ۔ رکوع ۲)

" ان میں بہت سے لوگ ہیں جو تیری (نبی کی) باتیں سنتے ہیں مگر کیا تو بہروں کو سنائے گا خواہ وہ کچھ نہ سمجھتے ہوں ؟ ۔ ان میں بہت سے لوگ ہیں جو تجھے دیکھتے ہیں مگر کیا تو اندھوں کو راہ بتائے گا خواہ انہیں کچھ نہ سوجھتا ہو ؟ حقیقت یہ ہے کہ اللہ لوگوں پر ظلم نہیں کرتا ۔ لوگ خود ہی اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں (آج دنیا کی زندگی میں مست ہیں) اور جس روز اللہ ان کو اکٹھا کرے گا تو ان (یہی دنیا کی زندگی) انہیں ایسی محسوس ہوگی گویا محض ایک گھڑی بھر آپس میں جان پہچان کہنے کو ٹھہرے تھے (اس دن تحقیق ہو جائے گا کہ) فی الواقع سخت گھاٹے میں رہے وہ لوگ جنھوں نے

اللہ کی ملاقات کو جھٹلایا اور ہرگز وہ راہ راست پر نہ تھے۔ جس برے
نتائج سے ہم انہیں ڈرا رہے ہیں ان کا کوئی حصّہ ہم تیرے (نبی کے)
جیتے جی دکھا دیں یا اس سے پہلے ہی تجھے اٹھا لیں۔ بہر حال انہیں آنا
ہماری طرف ہی ہے اور جو کچھ یہ کر رہے ہیں اس پر اللہ گواہ ہے۔

(سورۃ یونس ۱۰۔ رکوع ۵)

مضمون کی مناسبت سے آخر میں اقبال کا یہ شعر ہماری زبان پر ہے ؎

خرد نے کہہ بھی دیا لا الٰہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

(ضربِ کلیم : تصوّف)

عمل سے زندگی بنتی ہے جنّت بھی جہنّم بھی

عمل پر چند اشعار۔ قرآن کی روشنی میں



عمل کا تعلق براہ راست ایمان سے ہے۔ اس لئے قرآن میں بار بار "اٰمَنُوا" کے ساتھ "عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ" وارد ہوا ہے۔ اقبالؔ نے مندرجہ ذیل شعر میں دنیا اور آخرت دونوں میں عمل کی اہمیت پر اس طرح روشنی ڈالی ہے ؎

عمل سے زندگی بنتی ہے جنّت بھی جہنّم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

(بانگِ درا: "طلوع اسلام")

اقبالؔ نے یہ باور کرانا چاہا ہے کہ انسان فطری طور پر نہ تو نوری (جنّتی) ہوتا ہے اور نہ ناری (جہنّمی)" بلکہ اس کے اعمال کی ہی جزا و سزا اسے دنیا اور آخرت دونوں میں ملتی ہے اس شعر کے دوسرے مصرعہ میں اقبال کا یہ کہنا کہ انسان فطرتی طور پر نہ تو نوری پیدا ہوتا ہے اور نہ ناری مبنی ہے درج ذیل آیت پر۔

"وہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا۔ پھر تم میں سے کوئی کافر ہے اور کوئی مومن۔ اور اللہ سب کچھ دیکھ رہا ہے جو تم کرتے ہو"۔

(سورۃ التغابن ۶۴۔ آیت ۲)

کسی انسان میں عملِ صالح کا جذبہ بغیر کسی محرک کے پیدا نہیں ہوتا اور یہ محرک ہے عشق الٰہی میں گرویدگی۔ جو قرآن میں مومن کی خاص پہچان بتائی گئی ہے :۔

"ایمان رکھنے والے لوگ سب سے زیادہ اللہ کو محبوب رکھتے ہیں۔

(والذین امنوا اشد حبا للہ)"۔

(سورۃ البقرہ ۲۔ رکوع ۲۰)

ایمان اور عشق کا تعلق ان آیات سے بھی واضح ہوتا ہے جن میں عمل کی جزا بھی شامل ہو

"اور ہماری آیات پر تو وہ لوگ ایمان لاتے ہیں جنھیں یہ آیات سنا کر جب نصیحت کی جاتی ہے تو سجدے میں گر پڑتے ہیں اور اپنے رب کی حمد و ثنا کے ساتھ اس کی تسبیح کرتے ہیں اور تکبر نہیں کرتے۔ ان کی پیٹھیں بستروں سے الگ رہتی ہے۔ اپنے رب کو خوف اور طمع کے ساتھ پکارتے ہیں۔ جو کچھ رزق ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں پھر جیسا کچھ آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان ان کے اعمال کی جزا میں ان کے لئے چھپا کر رکھا گیا ہے اس کی کسی متنفس کو خبر نہیں ہے بھلا کہیں یہ ہو سکتا ہے کہ جو شخص مومن ہو وہ اس شخص کی طرح ہو جائے جو فاسق ہو۔ وہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ جو لوگ ایمان لائے ہیں انہوں نے نیک عمل کئے ہیں ان کے لئے تو جنتوں کی قیام گاہیں ہیں ضیافت کے طور پر ان کے اعمال کے بدلے میں۔ اور جنہوں نے فسق اختیار کیا ہے ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے"۔

(سورۃ السجدہ ۳۲۔ رکوع ۲)

جذبِ عمل کے عشق سے جلا پانے پر مندرجہ بالا آیات کی ترجمانی اقبال نے اس شعر میں کی ہے ؎

مردِ خدا کا عمل عشق سے صاحب فروغ
عشق ہے اصلِ حیات موت ہے اس پر حرام

(بالِ جبریل: مسجدِ قرطبہ)

چونکہ انسان اپنی ہی جنس کے قول و فعل کو سن اور دیکھ کر ان پر فطری طور پر عمل پیرا ہوتا ہے اس لئے خدا نے اس عشق و محبت کا رخ "قرآنِ مجسّم" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی طرف یہ کہہ کر موڑ دیا کہ :—

"اے نبیؐ ! لوگوں سے کہدو کہ: اگر تم حقیقت میں اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی اختیار کرو۔ اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہاری خطاؤں سے درگذر فرمائے گا۔ وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحیم ہے۔ ان سے کہو کہ: اللہ اور رسول کی اطاعت قبول کرو۔ پھر اگر وہ تمہاری یہ دعوت قبول نہ کریں تو یقیناً یہ ممکن نہیں ہے کہ اللہ ایسے لوگوں سے محبت کرے جو اس کی اور اس کے رسول کی اطاعت سے انکار کرتے ہوں"۔

(سورۃ آل عمران ۳۔ رکوع ۴)

"انہی آیات کی ترجمانی اقبال کے درج ذیل شعر میں ملتی ہے ؎

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

(بانگ درا۔ جواب شکوہ)

اس طرح عملِ صالح کا محرک عشقِ رسولؐ میں گرویدگی قرار پائی اور اسی لئے "اسوۂ حسنہ" کی پیروی ایک مومن کے لئے دنیا و آخرت دونوں میں فلاح کا باعث بن جاتا ہے :—

"درحقیقت تم لوگوں کے لئے اللہ کے رسول میں ایک بہترین نمونہ تھا (لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ)۔ ہر اس شخص کے لئے جو اللہ اور یوم آخر کا امیدوار ہو اور کثرت سے اللہ کو یاد کرے"۔ (سورۃ الاحزاب ۳۳۔ رکوع ۳)

اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کے انجام کار کے متعلق فرمایا خدائے برتر و بزرگ نے :-

"جو لوگ اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کریں گے وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین ۔ کیسے اچھے ہیں یہ رفیق جو کسی کو میسر آئیں یہ حقیقی فضل ہے جو اللہ کی طرف سے ملتا ہے اور حقیقت جاننے کے لئے بس اللہ ہی کا علم کافی ہے "

(سورۃ النسآء ۴ ۔ رکوع ۹)

چونکہ نیک اعمال نتیجہ میں براہ راست عشقِ رسولؐ میں گرویدگی اور ——— "اُسوۂ حسنہ" کی پیروی کے اس لئے متذکرہ بالا زمرہ میں شامل کئے جانے کی شرط بھی نیک اعمال پر ہی رکھی گئی ہے :-

"اور جو لوگ ایمان لائیں گے اور جنہوں نے نیک اعمال کئے ہونگے ان کو ہم ضرور صالحین میں داخل کریں گے (وَالَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصّٰلِحِينَ" (سورۃ العنکبوت ۲۹ ۔ رکوع ۱۴)

ایمان لاکر نیک عمل کرنے والے صرف "صالحین" کے زمرے میں نہیں آتے بلکہ خدا نے ان کو "بہترین خلائق" (خَيْرُ الْبَرِيَّةِ) سے بھی موسوم کیا ہے :-

"اہلِ کتاب اور مشرکین میں سے جن لوگوں نے کفر کیا ہے (یہاں کفر سے مراد محمدؐ کو ماننے سے انکار ہے) وہ یقیناً جہنم کی آگ میں جائیں گے اور ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔ یہ لوگ 'بدترین خلائق' ہیں۔ (اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ) ۔ جو لوگ ایمان لائے اور جنھوں نے نیک عمل کئے وہ یقیناً "بہترین خلائق ہیں (اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ) ۔ ان کی جزا ان کے رب کے یہاں دائمی قیام کی جنتیں ہیں ———

جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی"۔

(سورۃ البیّنت ۹۸۔ رکوع ۱)

دوسری جگہ جنّتیوں کو نیک بخت، سعید اور جہنّمیوں کو بد بخت اور شقی کے نام بھی دیئے گئے ہیں:۔

"اس روز (روزِ حشر) کچھ لوگ بد بخت ہوں گے اور کچھ نیک بخت۔ جو بد بخت ہوں گے وہ دوزخ میں جائیں گے ..... رہے وہ لوگ جو نیک بخت نکلیں گے وہ جنت میں جائیں گے اور وہاں ہمیشہ رہیں گے جب تک زمین و آسمان قائم ہیں۔ الّا یہ کہ تیرا رب کچھ اور چاہے۔ ایسی بخشش ان کو ملے گی جس کا سلسلہ کبھی منقطع نہ ہوگا"۔

(سورۃ ھود ۱۱۔ رکوع ۹)

اقبالؔ نے عشقِ رسول میں گرویدگی اور "اسوۂ حسنہ" کی پیروی کو۔ "جذبِ مسلمانی" کا نام دیا ہے جو شاخِ یقیں کو نمناک کرتی ہے اور عمل کے راستے متعیّن کرتی ہے ؎

اے رہروِ فرزانہ، بے جذبِ مسلمانی
نے راہ عمل پیدا، نے شاخِ یقیں نمناک

(بالِ جبریل۔ غزل ۱۸)

عملِ صالح کے ان جذبوں کی بنیاد ایک مومن کے ایمان میں کائنات اور انسان کی تخلیق پر غور و فکر کی وجہ سے ہی پڑتی ہے اور یہی غور و فکر عشقِ الٰہی اور عشقِ رسولؐ کا باعث بنتے ہیں:۔

"ہم نے اس آسمان اور زمین کو اور اس دنیا کو جو ان کے درمیان ہیں فضول پیدا نہیں کر دیا ہے۔ یہ تو ان لوگوں کا گمان ہے جنہوں نے کفر کیا ہے۔ اور ایسے کافروں کے لئے بربادی ہے جہنّم کی آگ سے کیا

ہم ان لوگوں کو جو ایمان لاتے ہیں اور نیک اعمال کرتے ہیں اور ان کو جو زمین میں فساد کرنے والے ہیں یکساں کر دیں؟ کیا متقیوں کو ہم فاجروں جیسا کر دیں"۔

(سورۃ صٓ ۳۸ ۔ رکوع ۳)

"اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا جب کہ اس کا عرش پانی پر تھا تاکہ تم کو آزما کر دیکھے کہ تم میں کون بہتر عمل کرنے والا ہے"۔

(سورۃ ھود ۱۱ ۔ رکوع ۱)

غور و فکر نہ کرنے والوں اور نتیجتاً عمل کے جذبوں کے فقدان پر اسی لئے اقبالؔ نے طنز کیا ہے کہ ؎

فکر بے نور ترا، جذب عمل بے بنیاد
سخت مشکل ہے کہ روشن ہو شب تار حیات

(ضربِ کلیم: "وحی")

عمل کے ان محرکات میں مومن کے پیش نظر خدائے لم یزل کی یہ تنبیہیں بھی کار فرما رہتی ہیں:۔

"پس یہ ضرور ہو کر رہنا ہے کہ ہم ان لوگوں سے باز پرس کریں جن کی طرف ہم نے پیغمبر بھیجے ہیں اور پیغمبروں سے بھی پوچھیں کہ (انہوں نے پیغام رسانی کا فرض کہاں تک انجام دیا اور انہیں اس کا کیا جواب ملا)۔ پھر ہم خود پورے علم کے ساتھ ساری سرگذشت ان کے آگے پیش کر دیں گے۔ آخر ہم کہیں غائب تو نہیں تھے اور وزن اس روز عین حق ہوگا۔ جن کے پلڑے بھاری ہوں گے وہی فلاح پانے والے ہوں گے اور جن کے پلڑے ہلکے ہوں گے

وہی اپنے آپ کو خسارے میں مُبتلا کرنے والے ہوں گے۔ کیونکہ
وہ ہماری آیات کے ساتھ ظالمانہ برتاؤ کرتے رہتے تھے۔"

(سورۃ الاعراف ۷۔ رکوع ۱)

"جس (اللہ) نے وہ سب کچھ تمہیں دیا جو تم نے مانگا۔ اگر تم اللہ
کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہو تو نہیں کر سکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان
بڑا ہی بے انصاف اور ناشکرا ہے۔"

(سورۃ ابراہیم ۱۴۔ رکوع ۶)

"پہلے جو لوگ تم میں سے گذرے ہیں ان کو بھی ہم نے دیکھ رکھا
ہے اور بعد کے آنے والے بھی ہماری نگاہ میں ہیں۔ یقیناً
تمہارا رب ان سب کو اکٹھا کرے گا وہ حکیم بھی ہے اور علیم بھی۔"

(سورۃ الحجر ۱۵۔ رکوع ۲)

"اے ایمان والو اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے
گا اور تمہارے قدم مضبوط جما دے گا۔

(سورۃ محمد ۴۷۔ رکوع ۱)

"نہایت بزرگ و برتر ہے وہ جس کے ہاتھ میں (کائنات کی)
سلطنت ہے۔ وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے جس نے موت اور
زندگی کو ایجاد کیا تاکہ تم لوگوں کو آزما کر دیکھے کہ تم میں سے کون بہتر عمل
کرنے والا ہے۔"

(سورۃ الملک ۶۷۔ رکوع ۱)

"جن لوگوں نے اپنے رب سے کفر کیا ہے ان کے اعمال کی
مثال اس راکھ کی سی ہے جسے طوفانی دن کی آندھی نے اڑا دیا
ہو۔ وہ اپنے کئے کا کچھ بھی پھل نہ پا سکیں گے۔ یہی پرلے درجے

کی گم گشتگی ہے"۔

(سورۃ ابراہیم ۱۴۔ رکوع ۳)

"تم اللہ کی اطاعت کرو اور رسولؐ کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو برباد نہ کرلو۔ ..... اللہ تمہارے ساتھ ہے اور تمہارے اعمال کو وہ ہرگز ضائع نہ کرے گا ..... اگر تم منہ موڑو گے تو اللہ تمہاری جگہ کسی اور قوم کو لے آئے گا۔ وہ تم جیسے نہ ہوں گے"۔

(سورۃ محمدؐ ۴۷۔ رکوع ۴)

"تمہارا رب بے نیاز ہے اور مہربانی اس کا شیوہ ہے۔ اگر وہ چاہے تو تم لوگوں کو لے جائے اور تمہاری جگہ دوسرے جن لوگوں کو چاہے لے آئے جس طرح اس نے تمہیں کچھ اور لوگوں کی نسل سے اٹھایا ہے۔ تم سے جس چیز کا وعدہ کیا جارہا ہے وہ یقیناً آنے والی ہے"۔

(سورۃ الانعام ۶۔ رکوع ۱۶)

عملِ صالح کرنے والوں کو خدا صرف آخرت ہی میں نہیں بلکہ دنیا میں بھی "قول ثابت" کی بنیاد پر عطا کرتا ہے:۔

"جو لوگ دنیا میں ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے نیک عمل کئے ہیں وہ ایسے باغوں میں داخل کئے جائیں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ وہاں وہ اپنے رب کے اذن سے ہمیشہ رہیں گے اور وہاں ان کا استقبال سلامتی کی مبارکباد سے ہوگا۔

"ایمان لانے والوں کو اللہ ایک قول ثابت کی بنیاد پر دنیا اور آخرت دونوں میں ثبات عطا کرتا ہے (یُثَبِّتُ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ

الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ) اور ظالموں کو اللہ بھٹکا دیتا ہے (وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ)"۔ اللہ کو اختیار ہے جو چاہے کرے"۔

(سورۃ ابراہیم ۱۴۔ رکوع ۴)

"اللہ نے ان (ظالموں) کو دنیا ہی کی زندگی میں رسوائی کا مزہ چکھایا اور آخرت کا عذاب تو اس سے شدید تر ہے۔ کاش یہ لوگ جانتے"۔

(سورۃ النور ۲۴۔ رکوع ۱۳)

عمل خدا کے نزدیک شکر کے مترادف ہے:۔

"اے آلِ داؤدؑ! عمل کرو شکر کے طریقے پر (اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا)۔ میرے بندوں میں کم ہی شکر گذار ہیں"۔

(سورۃ سبا ۳۴۔ رکوع ۲)

قرآن سرچشمۂ ہدایت ہے جو صرف سیدھی راہ ہی نہیں بتاتا بلکہ منزل کا بھی پتہ دیتا ہے اور بُرے انجام سے بچاتا ہے۔ چونکہ عمل کا تعلق انجام سے ہے اس لئے راہِ عمل متعین کرنے کے لئے اپنے اعمال کو قرآنی احکامات و ارشادات کا تابع رکھنا سب سے مقدم ہے:۔

"ہم (اللہ) نے اس قرآن میں لوگوں کو طرح طرح کی مثالیں دی ہیں کہ یہ ہوش میں آئیں۔ ایسا قرآن جو عربی زبان میں ہے جس میں کوئی ٹیڑھ نہیں تاکہ یہ بُرے انجام سے بچیں"۔

(سورۃ الزمر ۳۹۔ رکوع ۳)

"حقیقت یہ ہے کہ قرآن وہ راہ دکھاتا ہے جو بالکل سیدھی ہے جو لوگ اسے مان کر بھلے کام کرنے لگیں انہیں یہ بشارت دیتا ہے کہ ان کے لئے بڑا اجر ہے جو لوگ آخرت کو نہ مانیں انہیں یہ خبر دیتا

ہے کہ ان کے لئے ہم نے دردناک عذاب مہیا کر رکھا ہے"۔

(سورۃ بنی اسرائیل ۱۷۔ رکوع ۳)

"اور اے پیغمبر! جو لوگ اس کتاب پر ایمان لے آئیں اور (اس کے مطابق) اپنے عمل درست کر لیں انہیں خوشخبری دے دو کہ ان کے لئے ایسے ایسے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی"۔

(سورۃ البقرہ ۲۔ رکوع ۳)

اعمال کے جزا و سزا کے متعلق خدائے تعالیٰ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ:۔

"جو کوئی نیک عمل کرے گا اپنے ہی لئے اچھا کرے گا۔ جو بدی کرے گا اس کا وبال اس پر ہوگا۔ اور تیرا رب اپنے بندوں کے حق میں ظالم نہیں ہے"۔

(سورۃ حٰمٓ السجدۃ ۴۱۔ رکوع ۶)

"ان سے پوچھو: یہ انجام (جہنم) اچھا ہے یا وہ ابدی جنت جس کا وعدہ خدا ترس پرہیزگاروں سے کیا گیا ہے۔ جو اُن کے عمل کی جزا اور ان کے سفر کی آخری منزل ہوگی۔ جس میں ان کی ہر خواہش پوری ہوگی۔ جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ جس کا عطا کرنا تمہارے رب کے ذمے ایک واجب الادا وعدہ ہے"۔

(سورۃ الفرقان ۲۵۔ رکوع ۲)

"انجام کی بھلائی متقین ہی کے لئے ہے۔ جو کوئی بھلائی لے کر آئے گا اس کے لئے اس سے بہتر بھلائی ہے۔ اور جو کوئی برائی لے کر آئے گا تو برائیاں کرنے والوں کو ویسا ہی بدلہ ملے گا جیسا وہ کرتے تھے"۔ (سورۃ القصص ۲۸۔ رکوع ۹)

"اے پیغمبرو! کھاؤ پاک چیزیں اور عمل صالح کرو۔ جو کچھ بھی کرتے

ہو میں اس کو خوب جانتا ہوں "۔

(سورۃ المؤمنون ۲۳۔ رکوع ۴)

"جس نے آج توبہ کر لی اور ایمان لے آیا اور نیک عمل کئے وہی توقع کر سکتا ہے کہ وہاں فلاح پانے والوں میں سے ہوگا "۔

(سورۃ القصص ۲۸۔ رکوع ۷)

"اے انسان! تو کشاں کشاں اپنے رب کی طرف چلا جا رہا ہے اور اس سے ملنے والا ہے۔ پھر اس کا نامۂ اعمال اس کے سیدھے ہاتھ میں دیا گیا۔ اس سے ہلکا حساب لیا جائے گا۔ اور وہ اپنے لوگوں کی طرف خوش خوش پلٹے گا۔ رہا وہ شخص جس کا نامۂ اعمال اس کی پیٹھ پیچھے دیا جائے گا تو وہ موت کو پکارے گا اور بھڑکتی ہوئی آگ میں جا پڑے گا "۔

(سورۃ الانشقاق ۸۴۔ رکوع ۱)

"جس نے کفر کیا ہے اس کے کفر کا وبال اس پر ہے اور جن لوگوں نے نیک عمل کیا ہے وہ اپنے ہی لئے (فلاح کا راستہ) صاف کر رہے ہیں۔ تاکہ اللہ ایمان لانے والوں اور عمل صالح کرنے والوں کو اپنے فضل سے جزا دے "۔

(سورۃ الروم ۳۰۔ رکوع ۵)

"جو لوگ ایمان لائیں گے اور نیک اعمال کریں گے ان کی برائیاں ہم ان سے دور کر دیں گے اور انہیں ان کے بہترین اعمال کی جزا دیں گے "۔

(سورۃ العنکبوت ۲۹۔ رکوع ۱)

عمل کی فضیلت کے متعلق ارشاد ہے:۔

اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کے انجام کار کے متعلق فرمایا خدائے برتر و بزرگ نے :۔

"جو لوگ اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کریں گے وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین ۔ کیسے اچھے ہیں یہ رفیق جو کسی کو میسر آئیں یہ حقیقی فضل ہے جو اللہ کی طرف سے ملتا ہے اور حقیقت جاننے کے لئے بس اللہ ہی کا علم کافی ہے"۔

(سورۃ النبیآء ۴ ۔ رکوع ۹)

چونکہ نیک اعمال نتیجہ میں براہ راست عشقِ رسولؐ میں گرویدگی اور ــــ "اُسوۂ حسنہ" کی پیروی کے اس لئے متذکرہ بالا زمرہ میں شامل کئے جانے کی شرط بھی نیک اعمال پر ہی رکھی گئی ہے :۔

"اور جو لوگ ایمان لائیں گے اور جنہوں نے نیک اعمال کئے ہونگے ان کو ہم ضرور صالحین میں داخل کریں گے (وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُدْخِلَنَّھُمْ فِی الصّٰلِحِیْنَ)" (سورۃ العنکبوت ۲۹ ۔ رکوع ۱۴)

ایمان لاکر نیک عمل کرنے والے صرف "صالحین" کے زمرے میں نہیں آتے بلکہ خدا نے ان کو "بہترین خلائق" (خَیْرُ الْبَرِیَّۃِ) سے بھی موسوم کیا ہے :۔

"اہلِ کتاب اور مشرکین میں سے جن لوگوں نے کفر کیا ہے (یہاں کفر سے مراد محمدؐ کو ماننے سے انکار ہے) وہ یقیناً جہنم کی آگ میں جائیں گے اور ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔ یہ لوگ 'بدترین خلائق' ہیں۔ (اُولٰٓئِکَ ھُمْ شَرُّ الْبَرِیَّۃِ) ۔ جو لوگ ایمان لائے اور جنھوں نے نیک عمل کئے وہ یقیناً "بہترین خلائق ہیں (اُولٰٓئِکَ ھُمْ خَیْرُ الْبَرِیَّۃِ) ۔ ان کی جزا ان کے رب کے یہاں دائمی قیام کی جنتیں ہیں ــــ

جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی"۔

(سورۃ البینت ۹۸۔ رکوع ۱)

دوسری جگہ جنّتیوں کو نیک بخت، سعید اور جہنّمیوں کو بد بخت اور شقی کے نام بھی دئے گئے ہیں:۔

"اس روز (روزِ حشر) کچھ لوگ بد بخت ہوں گے اور کچھ نیک بخت۔ جو بد بخت ہوں گے وہ دوزخ میں جائیں گے ..... رہے وہ لوگ جو نیک بخت نکلیں گے وہ جنت میں جائیں گے اور وہاں ہمیشہ رہیں گے جب تک زمین و آسمان قائم ہیں۔ الّا یہ کہ تیرا رب کچھ اور چاہے۔ ایسی بخشش ان کو ملے گی جس کا سلسلہ کبھی منقطع نہ ہوگا"۔

(سورۃ ھود ۱۱۔ رکوع ۹)

اقبالؔ نے عشقِ رسول میں گرویدگی اور "اسوۂ حسنہ" کی پیروی کو۔ "جذبِ مسلمانی" کا نام دیا ہے جو شاخِ یقیں کو نمناک کرتی ہے اور عمل کے راستے متعیّن کرتی ہے ؎

اے رہروِ فرزانہ، بے جذبِ مسلمانی
نے راہ عمل پیدا، نے شاخِ یقیں نمناک

(بالِ جبریل۔ غزل ۱۸)

عملِ صالح کے ان جذبوں کی بنیاد ایک مومن کے ایمان میں کائنات اور انسان کی تخلیق پر غور و فکر کی وجہ سے ہی پڑتی ہے اور یہی غور و فکر عشقِ الٰہی اور عشقِ رسولؐ کا باعث بنتے ہیں:۔

"ہم نے اس آسمان اور زمین کو اور اس دنیا کو جو ان کے درمیان ہیں فضول پیدا نہیں کر دیا ہے۔ یہ تو ان لوگوں کا گمان ہے جنہوں نے کفر کیا ہے۔ اور ایسے کافروں کے لئے بربادی ہے جہنّم کی آگ سے کیا

ہم ان لوگوں کو جو ایمان لاتے ہیں اور نیک اعمال کرتے ہیں اور ان کو جو زمین میں فساد کرنے والے ہیں یکساں کر دیں؟ کیا متقیوں کو ہم فاجروں جیسا کر دیں"۔

(سورۃ صٓ ۳۸ ۔ رکوع ۳)

"اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا جب کہ اس کا عرش پانی پر تھا تاکہ تم کو آزما کر دیکھے کہ تم میں کون بہتر عمل کرنے والا ہے"۔

(سورۃ ھود ۱۱ ۔ رکوع ۱)

غور و فکر نہ کرنے والوں اور نتیجتاً عمل کے جذبوں کے فقدان پر اسی لئے اقبالؔ نے طنز کیا ہے کہ ؎

فکر بے نور ترا، جذب عمل بے بنیاد
سخت مشکل ہے کہ روشن ہو شب تار حیات

(ضربِ کلیم: "وحی")

عمل کے ان محرکات میں مومن کے پیش نظر خدائے لم یزل کی یہ تنبیہیں بھی کار فرما رہتی ہیں:۔

"پس یہ ضرور ہو کر رہنا ہے کہ ہم ان لوگوں سے باز پرس کریں جن کی طرف ہم نے پیغمبر بھیجے ہیں اور پیغمبروں سے بھی پوچھیں کہ (انہوں نے پیغام رسانی کا فرض کہاں تک انجام دیا اور انہیں اس کا کیا جواب ملا)۔ پھر ہم خود پورے علم کے ساتھ ساری سرگذشت ان کے آگے پیش کر دیں گے۔ آخر ہم کہیں غائب تو نہیں تھے اور وزن اس روز عین حق ہوگا۔ جن کے پلڑے بھاری ہوں گے وہی فلاح پانے والے ہوں گے اور جن کے پلڑے ہلکے ہوں گے

وہی اپنے آپ کو خسارے میں مُبتلا کرنے والے ہوں گے۔ کیونکہ
وہ ہماری آیات کے ساتھ ظالمانہ برتاؤ کرتے رہتے تھے۔"

(سورۃ الاعراف ۷۔ رکوع ۱)

"جس (اللہ) نے وہ سب کچھ تمہیں دیا جو تم نے مانگا۔ اگر تم اللہ
کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہو تو نہیں کر سکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان
بڑا ہی بے انصاف اور ناشکرا ہے۔"

(سورۃ ابراہیم ۱۴۔ رکوع ۶)

"پہلے جو لوگ تم میں سے گذرے ہیں ان کو بھی ہم نے دیکھ رکھا
ہے اور بعد کے آنے والے بھی ہماری نگاہ میں ہیں۔ یقیناً
تمہارا رب ان سب کو اکٹھا کرے گا وہ حکیم بھی ہے اور علیم بھی۔"

(سورۃ الحجر ۱۵۔ رکوع ۲)

"اے ایمان والو اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے
گا اور تمہارے قدم مضبوط جما دے گا۔

(سورۃ محمد ۴۷۔ رکوع ۱)

"نہایت بزرگ و برتر ہے وہ جس کے ہاتھ میں (کائنات کی)
سلطنت ہے۔ وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے جس نے موت اور
زندگی کو ایجاد کیا تاکہ تم لوگوں کو آزما کر دیکھے کہ تم میں سے کون بہتر عمل
کرنے والا ہے۔"

(سورۃ الملک ۶۷۔ رکوع ۱)

"جن لوگوں نے اپنے رب سے کفر کیا ہے ان کے اعمال کی
مثال اس راکھ کی سی ہے جسے طوفانی دن کی آندھی نے اڑا دیا
ہو۔ وہ اپنے کئے کا کچھ بھی پھل نہ پا سکیں گے۔ یہی پرلے درجے

کی گمراہی ہے"۔

(سورۃ ابراہیم ۱۴۔ رکوع ۳)

"تم اللہ کی اطاعت کرو اور رسولؐ کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو برباد نہ کرلو۔ ..... اللہ تمہارے ساتھ ہے اور تمہارے اعمال کو وہ ہرگز ضائع نہ کرے گا ..... اگر تم منہ موڑو گے تو اللہ تمہاری جگہ کسی اور قوم کو لے آئے گا۔ وہ تم جیسے نہ ہوں گے"۔

(سورۃ محمدؐ ۴۷۔ رکوع ۴)

"تمہارا رب بے نیاز ہے اور مہربانی اس کا شیوہ ہے۔ اگر وہ چاہے تو تم لوگوں کو لے جائے اور تمہاری جگہ دوسرے جن لوگوں کو چاہے لے آئے جس طرح اس نے تمہیں کچھ اور لوگوں کی نسل سے اٹھایا ہے۔ تم سے جس چیز کا وعدہ کیا جارہا ہے وہ یقیناً آنے والی ہے"۔

(سورۃ الانعام ۶۔ رکوع ۱۶)

عملِ صالح کرنے والوں کو خدا صرف آخرت ہی میں نہیں بلکہ دنیا میں بھی "قولِ ثابت" کی بنیاد پر عطا کرتا ہے:۔

"جو لوگ دنیا میں ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے نیک عمل کئے ہیں وہ ایسے باغوں میں داخل کئے جائیں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ وہاں وہ اپنے رب کے اذن سے ہمیشہ رہیں گے اور وہاں ان کا استقبال سلامتی کی مبارکباد سے ہوگا۔

"ایمان لانے والوں کو اللہ ایک قولِ ثابت کی بنیاد پر دنیا اور آخرت دونوں میں ثبات عطا کرتا ہے (یُثَبِّتُ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ

الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ) اور ظالموں کو اللہ بھٹکا دیتا ہے (وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ)"۔ اللہ کو اختیار ہے جو چاہے کرے"۔

(سورۃ ابراہیم ۱۴۔ رکوع ۴)

"اللہ نے ان (ظالموں) کو دنیا ہی کی زندگی میں رسوائی کا مزہ چکھایا اور آخرت کا عذاب تو اس سے شدید تر ہے۔ کاش یہ لوگ جانتے"۔

(سورۃ النور ۲۴۔ رکوع ۱۳)

عمل خدا کے نزدیک شکر کے مترادف ہے:۔

"اے آلِ داؤدؑ! عمل کرو شکر کے طریقے پر (اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا)۔ میرے بندوں میں کم ہی شکر گذار ہیں"۔

(سورۃ سبا ۳۴۔ رکوع ۲)

قرآن سرچشمۂ ہدایت ہے جو صرف سیدھی راہ ہی نہیں بتاتا بلکہ منزل کا بھی پتہ دیتا ہے اور بُرے انجام سے بچاتا ہے۔ چونکہ عمل کا تعلق انجام سے ہے اس لئے راہِ عمل متعین کرنے کے لئے اپنے اعمال کو قرآنی احکامات و ارشادات کا تابع رکھنا سب سے مقدم ہے:۔

"ہم (اللہ) نے اس قرآن میں لوگوں کو طرح طرح کی مثالیں دی ہیں کہ یہ ہوش میں آئیں۔ ایسا قرآن جو عربی زبان میں ہے جس میں کوئی ٹیڑھ نہیں تاکہ یہ بُرے انجام سے بچیں"۔

(سورۃ الزمر ۳۹۔ رکوع ۳)

"حقیقت یہ ہے کہ قرآن وہ راہ دکھاتا ہے جو بالکل سیدھی ہے جو لوگ اسے مان کر بھلے کام کرنے لگیں انہیں یہ بشارت دیتا ہے کہ ان کے لئے بڑا اجر ہے جو لوگ آخرت کو نہ مانیں انہیں یہ خبر دیتا

ہے کہ ان کے لئے ہم نے دردناک عذاب مہیا کر رکھا ہے"۔

(سورۃ بنی اسرائیل ۱۷۔ رکوع ۳)

"اور اے پیغمبر! جو لوگ اس کتاب پر ایمان لے آئیں اور (اس کے مطابق) اپنے عمل درست کر لیں انہیں خوشخبری دے دو کہ ان کے لئے ایسے ایسے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی"۔

(سورۃ البقرہ ۲۔ رکوع ۳)

اعمال کے جزا و سزا کے متعلق خدائے تعالیٰ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ:۔

"جو کوئی نیک عمل کرے گا اپنے ہی لئے اچھا کرے گا۔ جو بدی کرے گا اس کا وبال اس پر ہوگا۔ اور تیرا رب اپنے بندوں کے حق میں ظالم نہیں ہے"۔

(سورۃ حٰمٓ السجدۃ ۴۱۔ رکوع ۶)

"ان سے پوچھو: یہ انجام (جہنم) اچھا ہے یا وہ ابدی جنت جس کا وعدہ خدا ترس پرہیزگاروں سے کیا گیا ہے۔ جو اُن کے عمل کی جزا اور ان کے سفر کی آخری منزل ہوگی۔ جس میں ان کی ہر خواہش پوری ہوگی۔ جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ جس کا عطا کرنا تمہارے رب کے ذمے ایک واجب الادا وعدہ ہے"۔

(سورۃ الفرقان ۲۵۔ رکوع ۲)

"انجام کی بھلائی متقین ہی کے لئے ہے۔ جو کوئی بھلائی لے کر آئے گا اس کے لئے اس سے بہتر بھلائی ہے۔ اور جو کوئی برائی لے کر آئے گا تو برائیاں کرنے والوں کو ویسا ہی بدلہ ملے گا جیسا وہ کرتے تھے"۔ (سورۃ القصص ۲۸۔ رکوع ۹)

"اے پیغمبرو! کھاؤ پاک چیزیں اور عملِ صالح کرو۔ جو کچھ بھی کرتے

ہو میں اس کو خوب جانتا ہوں "۔

(سورۃ المؤمنون ۲۳۔ رکوع ۴)

"جس نے آج توبہ کر لی اور ایمان لے آیا اور نیک عمل کیے کو ہی توقع کر سکتا ہے کہ وہاں فلاح پانے والوں میں سے ہوگا "۔

(سورۃ القصص ۲۸۔ رکوع ۷)

"اے انسان! تو کشاں کشاں اپنے رب کی طرف چلا جا رہا ہے اور اس سے ملنے والا ہے۔ پھر اس کا نامۂ اعمال اس کے سیدھے ہاتھ میں دیا گیا۔ اس سے ہلکا حساب لیا جائے گا۔ اور وہ اپنے لوگوں کی طرف خوش خوش پلٹے گا۔ رہا وہ شخص جس کا نامۂ اعمال اس کی پیٹھ پیچھے دیا جائے گا تو وہ موت کو پکارے گا اور بھڑکتی ہوئی آگ میں جا پڑے گا "۔

(سورۃ الانشقاق ۸۴۔ رکوع ۱)

"جس نے کفر کیا ہے اس کے کفر کا وبال اس پر ہے اور جن لوگوں نے نیک عمل کیا ہے وہ اپنے ہی لئے (فلاح کا راستہ) صاف کر رہے ہیں۔ تاکہ اللہ ایمان لانے والوں اور عمل صالح کرنے والوں کو اپنے فضل سے جزا دے "۔

(سورۃ الروم ۳۰۔ رکوع ۵)

"جو لوگ ایمان لائیں گے اور نیک اعمال کریں گے ان کی برائیاں ہم ان سے دور کر دیں گے اور انہیں ان کے بہترین اعمال کی جزا دیں گے "۔

(سورۃ العنکبوت ۲۹۔ رکوع ۱)

عمل کی فضیلت کے متعلق ارشاد ہے:۔

"جو کوئی عزت چاہتا ہے اسے معلوم ہونا چاہئے کہ عزت ساری کی ساری اللہ کے لئے ہے۔ اس کے یہاں جو چیز اوپر چڑھتی ہے وہ صرف پاکیزہ قول ہے اور عمل صالح اس کو اوپر چڑھاتا ہے۔ رہے وہ لوگ جو بیہودہ چال بازیاں کرتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے اور ان کا مکر خود ہی غارت ہونے والا ہے"۔

(سورۃ فاطر ۳۵۔ رکوع ۲)

عمل کے بنا پر درجہ سے متعلق فرمایا:۔

"ہر شخص کا درجہ اس کے عمل کے لحاظ سے ہے اور تمہارا رب لوگوں کے اعمال سے بے خبر نہیں"۔

(سورۃ الانعام ۶۔ رکوع ۱۶)

"حقیقت یہ ہے کہ جو مجرم بن کر اپنے رب کے حضور حاضر ہوگا اس کے لئے جہنم ہے۔ جس میں وہ نہ جئے گا نہ مرے گا۔ اور جو اپنے رب کے حضور مومن کی حیثیت سے حاضر ہوگا جس نے نیک عمل کئے ہوں گے ایسے سب لوگوں کے لئے بلند درجے ہیں۔ سدا بہار باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ جزا ہے اس شخص کی جو پاکیزگی اختیار کرلے"۔

(سورۃ طٰہٰ ۲۰۔ رکوع ۳)

اس دنیا میں دنیاوی شان و شوکت، جاہ و جلال، مال اور اولاد کی بنا پر اپنے کو دوسروں سے جو کمتر ہیں حقیر سمجھتا ہے۔ حالانکہ مندرجہ بالا آیات میں فرمایا گیا کہ صرف عمل صالح ہی عزت بخشتا اور درجہ متعین کرتا ہے۔ مزید ارشاد ہے:۔

"تم لوگوں کو زیادہ سے زیادہ ایک دوسرے سے بڑھ کر دنیا حاصل کرنے کی دھن نے غفلت میں ڈال رکھا ہے۔ یہاں تک

کہ اس فکر میں تم لب گور تک پہنچ جاتے ہو۔ ہرگز نہیں، عنقریب تم کو معلوم ہو جائے گا۔ پھر (سُن لو) ہرگز نہیں، عنقریب تم کو معلوم ہو جائے گا۔ ہرگز نہیں، اگر تم یقینی علم کی حیثیت سے اس روش کے انجام کو جانتے ہوتے (تو تمہارا یہ طرز عمل نہ ہوتا)۔ تم دوزخ دیکھ کر رہو گے پھر سن لو کہ کی، تم بالکل یقین کے ساتھ اسے دیکھ لو گے پھر ضرور اس روز تم سے ان نعمتوں کے بارے میں جواب طلبی کی جائے گی۔"

(سورۃ التکاثر ۱۰۲ - رکوع ۱)

درجہ اور عزت کے متعلق اکبر الہ آبادی نے انہی آیات کی ترجمانی درج ذیل اشعار میں کی ہے :-

سمجھیں نہ حضور ریتھ ڈ والوں کو حقیر
انجن تو وہی ہے جسکی ہم سب کو ہے آس
اسٹیشن گورنمنٹ ہے یہ فرسٹ و سیکنڈ
بعد اُس کے موافق عمل ہو گا کلاس

عمل صالح سے غفلت برتنے والوں کے متعلق قرآن میں مذکور ہے :-

"سنو! خدا کی لعنت ہے ظالموں پر۔ ان ظالموں پر جو خدا کے راستے سے لوگوں کو روکتے ہیں۔ اس کے راستے کو ٹیڑھا کرنا چاہتے ہیں اور آخرت کا انکار کرتے ہیں ..... ناگزیر ہے کہ وہی آخرت میں سب سے بڑھ کر گھاٹے میں رہیں گے۔ رہے وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے اور اپنے رب ہی کے ہو کر رہے تو یقیناً وہ جنتی لوگ ہے اور جنت میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ ان دونوں فریقوں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک آدمی تو ہو اندھا اور دوسرا ہو دیکھنے اور سننے والا۔ کیا یہ دونوں یکساں ہو سکتے ہیں

کیا تم اس مثال سے کوئی سبق نہیں لیتے؟"

(سورۃ ھود ۱۱۔ رکوع ۲)

"کھاؤ ہمارا دیا ہوا پاک رزق اور اسے کھا کر سرکشی نہ کرو۔ ورنہ تم پر میرا غضب ٹوٹ پڑے گا اور جس پر میرا غضب ٹوٹا تو پھر وہ گر کر رہا البتہ جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور نیک عمل کرے۔ پھر سیدھا راستہ چلتا رہے اس کے لئے میں بہت درگزر کرنے والا ہوں۔"

(سورۃ طٰہٰ ۲۰۔ رکوع ۴)

"اس دوزخ کا ذکر اس کے سوا کسی غرض کے لئے نہیں کیا گیا ہے کہ لوگوں کو اس سے نصیحت ہو۔"

(سورۃ المدثر ۷۴۔ رکوع ۱)

قرآن میں مذکور طرز عمل سے منحرف لوگوں کے متعلق فرمایا۔ خدائے جلّ شانہٗ نے :۔

"حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ ہم سے ملنے کی توقع نہیں رکھتے اور دنیا کی زندگی ہی پر راضی ہیں اور مطمئن ہو گئے ہیں۔ اور جو لوگ ہماری نشانیوں سے غافل ہیں ان کا آخری ٹھکانہ جہنم ہوگا۔ اور برائیوں کی پاداش میں جن کا اکتساب وہ (اپنے اس غلط عقیدے اور غلط طرز عمل کی وجہ سے کرتے رہے)"

(سورۃ الانعام ۶۔ رکوع ۴)

عمل کی کارفرمائیاں قرآن کی رو سے، اپنی ذات تک محدود نہیں بلکہ اس کا دائرہ عمل پوری قوم و ملت ہے۔ بقول اقبالؔ ؎

فرد قائم ربطِ ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں

(بانگِ درا: "شمع اور شاعر۔ شمع")

چنانچہ عملِ صالح کے معاملے میں فرد پر ملت کی ذمہ داریوں کے متعلق ارشاد ہے

"وہی (اللہ) ہے جس نے تم کو زمین کا خلیفہ بنایا۔ اور تم میں سے بعض کو بعض کے مقابلے میں زیادہ بلند درجے دئے تاکہ جو کچھ تم کو دیا ہے اس میں تمہاری آزمائش کرے۔ بیشک تمہارا رب سزا دینے میں بہت تیز ہے اور بہت درگذر کرنے اور رحم فرمانے والا بھی ہے"

(سورۃ الانعام ۶۔ رکوع ۲۰)

اِن ہی ذمہ داریوں کی نشاندہی اقبال نے ان اشعار میں کی ہے:۔

ہاں اک حقیقت ہے معلوم سب کو
تاریخِ امم جس کو نہیں ہم سے چھپاتی
ہر لحظہ ہے قوموں کے عمل پر نظر اس کی
برّاں صفتِ تیغ دو پیکر نظر اس کی

(ضربِ کلیم: "تقدیر")

نفسِ مضمون کی مناسبت سے اس مضمون کو اقبال ہی کے اِن شعار پر ختم کرنا مناسب ہوگا:

فطرت کے تقاضوں پہ نہ کر راہِ عمل بند = مقصود ہے کچھ اور ہی تسلیم و رضا کا

(ضربِ کلیم: "تسلیم و رضا")

جس کا عمل ہے بے غرضی اس کی جزا کچھ اور ہی = حور و خیام سے گذر، بادہ و جام سے گذر

("بالِ جبریل": غزل ۵)

رہ گئی رسمِ اذاں روحِ بلالیؓ نہ رہی

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں اقبالؔ نے صرف حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت بلالؓ پر ہی خصوصی نظمیں لکھی ہیں۔ مگر چونکہ عشقِ رسول میں حضرت بلال کی گرویدگی کچھ ایسی مثالی ہے کہ اقبال نے اپنے اردو کلام میں آپ پر دو نظمیں رقم کی ہیں جو درج ذیل ہیں۔

(۱)

چمک اٹھا جو ستارہ ترے مقدر کا
حبش سے تجھ کو اٹھا کر حجاز میں لایا
ہوئی اسی سے ترے غمکدے کی آبادی
تری غلامی کے صدقے ہزار آزادی
وہ آستاں نہ چھٹا تجھ سے ایکدم کے لئے
کسی کے شوق میں تو نے مزے ستم کے لئے
جفا جو عشق میں ہوتی ہے وہ جفا ہی نہیں
ستم نہ ہو تو محبت میں کچھ مزا ہی نہیں
نظر تھی صورتِ سلمانؓ ادا شناس تری
شرابِ دید سے بڑھتی تھی اور پیاس تری
تجھے نظارے کا مثلِ کلیمؑ سودا تھا
اویسؓ طاقتِ دیدار کو ترستا تھا
مدینہ تیری نگاہوں کا نور تھا گویا
ترے لئے تو یہ صحرا ہی طور تھا گویا

تری نظر کو رہی دید میں بھی حسرتِ دید
خنک دے کہ تپید و دمے نیاسائید
گری وہ برق تری جان ناشکیبا پر
کہ خندہ زن تری ظلمت تھی دست موسیٰؑ پر
تپش ز شعلہ گرفتند و برد دے تو زدند
چہ برق جلوہ بخاشاک حاصلِ تو زدند!
ادائے دید سراپا نیاز تھی تیری
کسی کو دیکھتے رہنا نماز تھی تیری
اذاں ازل سے ترے عشق کا ترانہ بنی
نماز اس کے نظارے کا اک بہانہ بنی
خوشا وہ وقت کہ یثرب مقام تھا اسکا
خوشا وہ دور کہ دیدار عام تھا اس کا
(بانگِ درا۔ بلال بعد از نظم چاند)

(۲)

لکھا ہے ایک مغربی حق شناس نے
اہل قلم میں جس کا بہت احترام تھا
جو لانگہ سکندرِ رومی تھا ایشیا
گردوں سے بھی بلند تر اس کا مقام تھا
تاریخ کہہ رہی ہے کہ رومی کے سامنے
دعویٰ کیا جو پورس و دارا نے خام تھا
دنیا کے اس شہنشہہ انجم سپاہ کو
حیرت سے دیکھتا فلک نیل فام تھا

آج ایشیا میں اس کو کوئی جانتا نہیں
تاریخ داں بھی اسے پہچانتا نہیں
لیکن بلالؓ وہ حبشی زادۂ حقیر
فطرت تھی جس کی نورِ نبوّت سے مستعیر
جس کا امیں ازل سے ہوا سینۂ بلالؓ
محکوم اس صدا کے ہیں شہنشہ و فقیر
ہوتا ہے جس سے اسود و احمر میں اختلاط
کرتی ہے جو غریب کو ہم پہلوئے امیر!
ہے تازہ آج تک وہ نوائے جگر گداز
صدیوں سے سن رہا ہے جسے گوشِ چرخ پیر
اقبال کس کے عشق کا یہ فیض عام ہے؟
رومی فنا ہوا حبشی کو دوام ہے!

(بانگِ درا: بلالؓ ۔ بعد از نظم "کفر و اسلام")

یوں تو اقبال کا سارا کلام ہی قرآن، احادیث اور اسلامی روایات کا ترجمان ہے مگر انہوں نے حضرت بلالؓ پر دو نظمیں لکھ کر عام مسلمانوں کو وہ وقت دلایا ہے جب "ھو اللہ احد" کہنے پر کیسے کیسے مصائب اٹھانے پڑتے تھے جس کی نادر مثال حضرت بلالؓ کی زندگی ہے۔ اس مضمون کی سرخی اقبال کی معرکۃ الآرا طنزیہ نظم "جواب شکوہ" کے مندرجہ ذیل شعر کا ایک مصرعہ ہے ؎

رہ گئی رسمِ اذاں، روحِ بلالی نہ رہی
فلسفہ رہ گیا تلقینِ غزالی نہ رہی

اقبال نے حضرت بلالؓ پر ان دونوں نظموں میں روحِ بلالی کی تلقین کی ہے۔ اور یہ روحِ بلالی ہے عشقِ رسولؐ میں گرویدگی جو اصل ایمان ہے۔

اور یہی گرویدگی اقبال کے نزدیک "روح بلالی" ہے۔ اور اسی گرویدگی کے متعلق ارشادِ ربانی ہے کہ:۔

"جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے دراصل خدا کی اطاعت کی۔ اور جو منہ موڑ گیا تو بہرحال ہم نے تمہیں (نبی کو) ان لوگوں پر پاسباں بنا کر تو نہیں بھیجا ہے"۔

(سورۃ النساء ۴۔ رکوع ۱۱)

اقبال کی متذکرہ بالا پہلی نظم کے شروع کے اشعار درج ذیل آیات سے ماخوذ ہیں:۔

"حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ جن لوگوں نے اسلام ظاہر کیا وہ یہ سات حضرات ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمار بن یاسرؓ، ان کی والدہ سمیہؓ حضرت صہیبؓ، حضرت بلالؓ اور حضرت مقدادؓ۔ رسول اللہ کی اللہ پاک نے آپ کے چچا کے ذریعہ حفاظت کرائی اور حضرت ابوبکر کی حفاظت ان کی قوم کے ذریعہ کرائی۔ باقی مسلمانوں کو مشرکین نے پکڑا اور ان کو لوہے کی زرہیں پہنائیں اور سخت دھوپ میں ان لوگوں کو تپایا۔ ان میں سوائے حضرت بلال کے مشرکین کی ان کے امور میں بظاہر اطاعت کرلی۔ مگر حضرت بلالؓ کو اللہ کے راستے میں اپنے نفس کی قطعاً پرواہ نہ تھی اور یہ اپنی قوم کے نزدیک بہت بے قدرے تھے۔ لوگوں نے انہیں پکڑا اور لڑکوں کے حوالہ کر دیا۔ لڑکے انہیں مکہ کی گلیوں میں پھیر دیتے پھرتے تھے اور ان کی زبان پر احدٌ، احدٌ کا کلمہ جاری تھا۔ کہ اللہ ایک ہے"۔

"حضرت مجاہد کی حدیث میں اس طرح ہے کہ ان چاروں حضرات کو لوہے کی زرہیں پہنائی گئیں۔ پھر ان کو دھوپ میں تپایا گیا۔ دھوپ اور لوہے کی گرمی سے ان حضرات کو انتہائی مشقت اور مصیبت پہنچائی گئی۔ شام کے وقت ان کے پاس ابوجہل لعنۃ اللہ آیا۔ اپنے ساتھ نیزہ لئے ہوئے تھا۔ ان لوگوں کو گالیاں دیں اور ڈرایا اور دھمکایا۔ مجاہد نے حضرت بلال کے بارے میں نقل کیا ہے کہ مشرکین مکہ ان کے گلے میں رسی ڈال کر مکہ کی دونوں پہاڑیوں کے درمیان کھینچے کھینچے پھرتے تھے۔"

"عروہ بن زبیرؓ فرماتے ہیں کہ حضرت بلال بنی جمحہ کی ایک عورت کے غلام تھے۔ مشرکین ان کو مکہ کی تپتی ہوئی ریت پر لٹا کر بھری دوپہر میں سزا دیتے تھے تاکہ یہ شرک کی طرف لوٹ آئیں لیکن ان کی زبان پر اَحَدٌ اَحَدٌ کا کلمہ ہوتا تھا۔ ورقہ ان کے پاس سے گذرتے اور وہ اسی حالت میں اَحَدٌ اَحَدٌ کہتے ہوئے تو ورقہ کہتے کہ: "اے بلالؓ! یہ اَحَدٌ اَحَدٌ کا کلمہ کب تک کہو گے؟" کسی طرح جان بچاؤ اور لوگوں سے کہتے) خدا کی قسم اگر تم لوگوں نے انہیں قتل کر دیا تو میں اس قصہ کو ہمیشہ کے لئے داستان غم بنا لوں گا۔"

("حیاۃ الصحابہؓ")

حضرت بلالؓ بن رباح کو اسلام قبول کرنے پر جو تکلیفیں دی جاتی تھیں ان پر بہت سی روایات ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ امیہ بن خلف جو مسلمانوں کا سخت دشمن تھا۔ ان کو سخت گرمی میں دوپہر کے وقت تپتی ہوئی ریت پر سیدھا لٹا کر ان کے سینہ پر پتھر کی بڑی چٹان رکھ دیتا تھا تاکہ وہ حرکت نہ کر سکیں مگر وہ اس حالت میں بھی اَحَدٌ اَحَدٌ کہتے تھے یعنی معبود ایک ہے۔ رات کو زنجیروں

میں باندھ کر کوڑے لگائے جاتے اور اگلے دن ان زخموں کو گرم زمین پر ڈال کر اور زیادہ زخمی کیا جاتا کہ بے قرار ہو کر اسلام سے پھر جاویں یا تڑپ تڑپ کر مر جائیں۔ عذاب دینے والے اکثر جاتے کبھی ابوجہل کا نمبر آتا کبھی امیہ بن خلف کا کبھی اوروں کا۔ ہر شخص اس کی کوشش کرتا کہ تکلیف دینے میں زور ختم کر دے۔ ایک روز حضرت ابوبکر صدیقؓ کا ان پر سے گزر ہوا اور لوگ انہیں سزائیں دے رہے تھے۔ حضرت ابوبکر نے امیہ سے کہا: "اس مسکین کے بارے میں تو خدا سے نہیں ڈرتا۔ کب تک تو یہ تکلیفیں اور ایذا رسانی کرتا رہے گا؟" امیہ بولا کہ: "اس کو تم ہی نے بگاڑا ہے۔ اب تم ہی اسے سزا سے چھڑاؤ۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا، ہاں۔ میں یہ بھی کروں گا۔ میرے پاس ایک حبشی غلام بہت ہی پھرتیلا اور ان سے زیادہ کاروبار کرنے والا ہے اور تیرے دین پر پکا ہے۔ اس کے بدلے تجھے میں وہ دے دوں گا۔ امیہ نے کہا: "مجھے وہ منظور ہے۔" حضرت ابوبکر نے فرمایا: جا، وہ میں نے تجھے دیا۔" حضرت ابوبکرؓ نے اس غلام کو امیہ کے حوالے کیا اور حضرت بلال کو لے کر آزاد کر دیا اس سے قبل کہ حضرت ابوبکرؓ مکہ معظمہ سے ہجرت فرمائیں چھ اور غلاموں کو جو اسلام لانے کی وجہ سے تکلیفیں دئے جا رہے تھے خرید کر آزاد کیا اور حضرت بلالؓ بن رباح ان میں ساتویں تھے۔

حضرت عمار بن یاسرؓ حضرت بلالؓ اور ان کے ساتھیوں کے مصائب برداشت کرنے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ان لوگوں کو خرید کر آزاد کرنے کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک نظم میں فرماتے

ہیں اور حضرت ابو بکرؓ کا نام عتیق تھا: (ترجمہ)

(۱) حضرت بلالؓ اور ان کے ساتھیوں کی جانب سے اللہ تعالیٰ عتیق یعنی ابو بکرؓ کو جزائے خیر دے اور فاکہ اور ابو جہل کو رسوا کرے۔

(۲) میں اس شام کو نہ بھولوں گا کہ وہ دونوں بلالؓ کو سزائیں دے دے رہے تھے اور ایسی سزا دینے سے نہیں ڈرتے تھے جس کے دینے سے عقلمند آدمی پرہیز کرتا ہے۔

(۳) یہ مصائب کا ڈھانا محض اس وجہ سے تھا کہ انہوں نے مخلوقات کے رب کی توحید کا اقرار کیا تھا اور کہا تھا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ میرا رب ہے اور میرا دل اس بات پر مطمئن ہے۔

(۴) اگر وہ مجھے قتل کر ڈالیں تو میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں کہ قتل کے ڈر سے خدا کے ساتھ شرک کروں۔

(۵) اے ابراہیمؑ اور یونسؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کے رب مجھے نجات دے اور

(۶) پھر مجھ کو اہلِ غالب میں جو گمراہ ہیں، ظالم ہیں، بھلے نہیں ان کے ساتھ مبتلا نہ فرما۔"

("حیاۃ الصحابہؓ")

حضرت بلالؓ بن رباح پر اقبال کے متذکرہ بالا پہلی نظم کا ایک شعر ہے ؎

گرمی و برق تری جانِ ناشکیبا پر
کہ خندہ زن تری ظلمت تھی دست موسیٰؑ پر

حضرت بلالؓ بن رباح حبشی تھے اس لئے اقبالؔ اس شعر میں کہتے ہیں کہ

حبشی ہونے کی وجہ کہ ان کا رنگ سیاہ ہونے (ظلمت میں اس رنگ کی طرف اشارہ ہے) کے باوجود عشقِ رسول کی بدولت ان رضؓ کی سیاہی حضرت موسیٰؑ کے "ید بیضا" (سفید ہاتھ) پر خندہ زن تھی۔ اس شعر میں سیاہ رنگ اور سفید رنگ کو "تبدیرج ظلمت" اور "دست موسیٰؑ" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ "دستِ موسیٰؑ" کا قصہ ان آیات سے ماخوذ ہے:۔

"فرعون نے کہا: اگر تو (موسیٰؑ) کوئی نشانی لایا ہے اور اپنے دعویٰ میں سچا ہے تو اسے پیش کر۔" موسیٰ نے اپنا عصا پھینکا۔ وہ ایک جیتا جاگتا اژدھا تھا۔ اس نے اپنی جیب سے ہاتھ نکالا اور سب دیکھنے والوں کے سامنے وہ چمک رہا تھا۔"

(سورۃ الاعراف ۷۔ رکوع ۱۴)

حضرت بلال رضؓ بن رباح پر اقبال کی متذکرہ بالا دوسری نظم کے دوسرے بند میں اقبال نے حضرت بلال رضؓ کو، مسلمانوں کے سامنے، دین اور رسولؐ کی خاطر ایثار و قربانی کا پتلا بنا کر پیش کیا ہے۔

حضرت بلال رضؓ کی قدر و منزلت کا اندازہ اس روایت سے لگایا جا سکتا ہے کہ:۔

"سقبی بیان کرتے ہیں کہ ایک روز حضرت حباب بن ارت رضؓ حضرت عمر کے پاس تشریف لے گئے۔ حضرت عمر رضؓ نے ان کو اپنی مسند پر بٹھا کر یہ فرمایا کہ روئے زمین پر تم سے زیادہ دوسرا آدمی اس جگہ بیٹھنے کا مستحق نہیں ہے مگر ایک آدمی۔ حباب نے دریافت کیا کہ اے امیر المومنین، وہ کون؟ حضرت عمر رضؓ نے فرمایا: وہ بلال رضؓ ہیں۔ سقبی فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضؓ حضرت بلال رضؓ سے ان تکلیفوں کو جو مشرکین نے دے رکھی تھی پوچھ رہے تھے۔

چونکہ اس مضمون کا عنوان ہے: "رہ گئی رسم اذاں روحِ بلالی نہ رہی" اس لئے اقبالؔ کے حضرت بلال پر پہلی نظم کے یہ اشعار اہم ہیں: ۔

ادائے دید سراپا نیاز تھی تیری
کسی کو دیکھتے رہنا، نماز تھی تیری
اذاں ازل سے ترے عشق کا ترانہ بنی
نماز اس کے نظارے کا اک بہانہ بنی

حضرت بلالؓ ہمیشہ مسجد نبوی کے موذن رہے۔ سفر حضر میں ہمیشہ اذان کی خدمت آپ کے سپرد ہوتی۔ حضورؐ کے وصال کے بعد مدینہ طیبہ میں رہنا اور حضورؐ کی جگہ کو خالی دیکھنا مشکل ہوگیا اس لئے ارادہ کیا کہ اپنی زندگی کے بقیہ دن جہاد میں گزار دوں اس لئے جہاد میں شرکت کی نیت سے چل دئے۔ ایک عرصہ تک مدینہ منورہ لوٹ کر نہیں آئے۔ ایک مرتبہ حضورؐ کی خواب میں زیارت کی حضورؐ نے فرمایا: بلال یہ کیا ظلم ہے۔ ہمارے پاس کبھی نہیں آتے۔ تو آنکھ کھلنے پر مدینہ طیبہ حاضر ہوئے حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ نے اذان کی فرمائش کی۔ لاڈلوں کی درخواست ایسی نہیں تھی کہ انکار کی گنجائش ہوتی۔ اذان کہنا شروع کی اور مدینہ میں حضورؐ کے زمانہ کی اذان کانوں میں پڑ کر کہرام مچ گیا۔ عورتیں تک روتی ہوئی گھر سے نکل پڑیں۔ چند روز قیام کے بعد واپس ہوئے اور ۲۰ھ کے قریب دمشق میں وصال ہوا۔

(بحوالہ "فضائل اعمال" حکایات صحابہؓ)

علم و عشق

اقبال کی نظم قرآن کی روشنی میں



علم نے مجھ سے کہا عشق ہے دیوانہ پن!
عشق نے مجھ سے کہا علم ہے تخمیں وظن!
بندۂ تخمیں وظن! کمِ م کتابی نہ بن!
عشق سراپا حضور، علم سراپا حجاب!
عشق کی گرمی سے ہے معرکۂ کائنات!
علم مقام صفات، عشق تماشائے ذات!
عشق سکون و ثبات، عشق حیات و ممات!
علم ہے پیدا سوال، عشق ہے پنہاں جواب!
عشق کے ہیں معجزات سلطنت و فقر و دین!
عشق کے ادنیٰ غلام صاحبِ تاج و نگیں!
عشق مکاں و مکیں! عشق زمان و زمیں!
عشق سراپا یقین اور یقین فتح باب!
شرعِ محبت میں ہیں عشرتِ منزل حرام
شورشِ طوفاں حلال، لذتِ ساحل حرام
عشق پہ بجلی حلال، عشق پہ حاصل حرام
علم ہے ابن الکتاب، عشق ہے امّ الکتاب!

(ضربِ کلیم: "علم و عشق")

"ضربِ کلیم" کی یہ نظم "علم و عشق" چار بندوں میں مشتمل ہے اس نظم میں اقبال نے علم و عشق کا موازنہ کیا ہے۔ "علم" کے مقابلہ میں "عشق" کے معجزات اور فتوحات کو اقبال نے زیادہ اہم قرار دیا ہے۔ اقبال کے تصورِ عشق میں انسان کی عظمت و شوکت اور بندگیٔ عشق میں ایک لطیف ناز اور نشاط اور امید کی دنیا نظر آتی ہے جو تخلیقی نہیں بلکہ عملی ہے۔ عشق کے اس تصور میں قدسیہ الٰہی سے ایک خاص سلسلہ ہے۔ ان کا نظریۂ حیات میں زندگی نام ہے مسلسل سعی اور عمل کا۔ اور اس جادۂ حیات میں عشق سے انسان میں منزل تک پہنچنے کی تڑپ زندہ رہتی ہے۔ اقبال خدا ترسی اور خود شناسی کے لئے "علم" اور "عقل" دونوں کو گمراہ کن سمجھتے ہیں۔ علم عقل میں اضافہ ضرور کرتا ہے مگر وہ حقیقت کا انکشاف نہیں کر سکتا۔ وہ "جویائے راہ" ہے "دانائے راہ" نہیں وہ "مقام خبر" ہے مگر "مقام نظر" نہیں۔ یہ سارے صفات صرف عشق کو حاصل ہیں۔ اقبال نے عشق کو "امُ الکتاب" اور علم کو "ابن الکتاب" سے مماثلت دی ہے۔

اِس نظم کا کلیدی مصرعہ آخری بند کا آخری مصرعہ ہے۔ اور اس مصرعہ کے کلیدی الفاظ "اُمّ الکتاب" ہیں جو عشق کا منبع و موضوع بنانے کی دو وجوہات ہیں۔ ایک تو یہ کہ ہم اس نظم اور خصوصی طور پر اس نظم کے آخری بند کا قرآن کی روشنی میں، تجزیہ کر سکیں۔ اور دوسرے یہ کہ اقبال کے اردو کلام کے سب سے مشہور شارح پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے اس نظم کی شرح میں قرآن مجید کو "اُمّ الکتاب" بتایا ہے جو خود، قرآن ہی کی رو سے صحیح نہیں۔ یہ غلط فہمی عام طور سے مسلمانوں کو ہوتی ہے اقبال کہتے ہیں کہ عشق کا سرچشمہ یا منبع اُمّ الکتاب ہے اور علم کا سرچشمہ وہ دنیاوی کتابیں ہیں جن سے انسان ادراک حاصل کرتا ہے جب کہ عشق کا فلسفہ ایک ایسی کتاب سے حاصل ہوتا ہے جو سب کتابوں کا سرچشمہ ہے یہ ازلی جذبہ محبت کے اظہار کا ایک طریقہ ہے۔ یہ عشق ہی تو تھا جو آتشِ نمرود میں بے خطر کود پڑا

یہ عشق ہی کی مقناطیسی طاقت تھی جو حضرت موسیٰؑ کو آگ تلاش کرنے کے بہانے کوہ طور پر لے گئی جہاں انہیں رسالت عطا کی گئی۔ یہ عشق ہی کی کارفرمائیاں تھیں کہ رسول اللہؐ نے ساتوں آسمانوں کی سیر فرمائی۔ یہ ایک عاشق صادق کا جذبۂ ایمانی ہی تو تھا جس نے حضرت بلالؓ کی زبان پر سوا "اَحَدٌ اَحَدٌ" کے اف تک نہ آنے دیا۔ جب کہ مشرکین مکہ ان پر کیسی کیسی جسمانی مصیبتیں ڈھا رہے تھے۔ معرکۂ کربلا میں آل رسولؐ کی قربانی اسی جذبۂ ایمانی کی یادگار ہے۔ اس لئے بقول اقبالؔ ؎

عقل و دل و نگاہ کا مرشد اوّلیں ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دیں بتکدۂ تصوّرات!

(بالِ جبریل: "ذوق و شوق")

اقبالؔ نے عشق کے ان ہی فتوحات اور معرکہ آرائیوں کی وجہ سے اسے اُمّ الکتاب کہا ہے۔ انہوں نے اُمّ الکتاب کی یہ اصطلاح قرآن مجید سے لی ہے:۔

"حٰمٓ، قسم ہے اس واضح کتاب کی کہ ہم نے اسے عربی زبان کا قرآن بنایا ہے تاکہ تم لوگ اسے سمجھیں۔ اور درحقیقت یہ اُمّ الکتاب میں ثبت ہے۔ (وَاِنَّهٗ فِیْ اُمِّ الْكِتٰبِ) ہمارے یہاں بڑی بلند مرتبہ اور حکمت سے لبریز کتاب۔ اب کیا ہم تم سے بیزار ہو کر یہ درس نصیحت تمہارے یہاں بھیجنا چھوڑ دیں۔ صرف اس لئے کہ تم حد سے گزرے ہوئے ہو"۔

(سورۃ الزخرف ۴۳۔ رکوع ۱)

"ہر دور کی ایک کتاب ہے۔ اللہ جو کچھ چاہتا ہے، مٹا دیتا ہے اور جس چیز کو چاہتا ہے قائم رکھتا ہے۔ اُمّ الکتاب اسی کے پاس ہے۔ (وَعِنْدَهٗ اُمُّ الْكِتٰبِ)"۔

(سورۃ الرعد ۱۳۔ رکوع ۶)

"ثبت" کے معنی ہیں لکھنا، تحریر کرنا، قرار دینا۔ لہٰذا متذکرہ بالا آیات سے یہ صاف ہے کہ "ام الکتاب" کے معنی ہیں اس منبع اور سرچشمہ کے جس سے وہ ساری آسمانی کتابیں ماخوذ ہیں۔ جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ پر نازل کی گئی ہیں۔ جیسے توراۃ، انجیل اور قرآن مجید، ام الکتاب کو قرآن میں سورۃ "الواقعہ ۵۶" کے رکوع ۳ میں "کِتٰبٍ مَّکْنُوْنٍ" کہا گیا ہے:۔

"پس نہیں، میں قسم کھاتا ہوں تاروں کے مواقع کی، اگر تم سمجھو تو
یہ بہت بڑی قسم ہے۔ ایک بلند پایہ قرآن ہے۔ ایک محفوظ کتاب
میں ثبت (فِی کِتٰبٍ مَّکْنُوْنٍ) جسے مطہرین کے سوا کوئی چھو نہیں
سکتا۔ یہ رب العالمین کا نازل کردہ ہے"۔

مندرجہ بالا آیات سے یہ بات بھی صاف ہو جاتی ہے کہ اُمّ الکتاب وہ کتاب ہے جسے روزِ آفرینش خدائے تعالیٰ نے لوحِ محفوظ میں چھپا رکھا ہے اور جتنی بھی آسمانی کتابیں، مختلف رسولوں پر نازل کی گئیں جس میں قرآن مجید بھی شامل ہے اسی سے لی جاتی رہیں اور سبھوں میں ایک ہی دین اسلام کی تعلیم دی گئی۔ ارشادِ ربّانی ہے:۔

"اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے۔ اس دین سے ہٹ
کر جو مختلف طریقے ان لوگوں نے اختیار کئے جنھیں کتاب دی
گئی تھی ان کے اس طرزِ عمل کی کوئی وجہ اس کے سوا نہ تھی کہ انہوں
نے علم آجانے کے بعد آپس میں ایک دوسرے پر زیادتی
کرنے کے لئے ایسا کیا"۔

(سورۃ آل عمران ۳۔ رکوع ۲)

یہ کہ "اُمّ الکتاب" لوحِ محفوظ" میں ہے اور قرآن مجید اس میں نقش ہے، درج ذیل آیات سے اور بھی واضح ہو جاتا ہے:۔

"(ان کے جھٹلانے سے قرآن کا کچھ نہیں بگڑتا) بلکہ یہ قرآن بلند

پایہ ہے (بَل ھُوَ قُرآنٌ مَجِیدٌ)۔ اس لوح میں (نقش ہے) جو محفوظ ہے۔ (فی لَوحٍ مَحفُوظٍ)"۔

(سورۃ البروج ۸۵۔ رکوع ۱)

اتنی ساری باتیں اللہ تعالیٰ کو بار بار اس لئے کہنی پڑیں کہ منکرین یہ دلیل دیتے تھے کہ جب اس سے قبل آسمانی کتابیں، جیسے توراۃ اور انجیل موجود ہیں۔ تو پھر قرآن نازل کرنے کی کیا ضرورت پڑی۔ اس کی ضرورت اس لئے پڑی چونکہ کتابوں کی شکل مسخ کر دی گئی تھی۔ پھر بھی جتنی کتابیں نازل ہوتی رہیں وہ ایک دوسرے کی باتوں کی تصدیق کرتی آئیں چنانچہ خود قرآن مجید شاہد ہے کہ :۔

"اے وہ لوگو! جنھیں کتاب دی گئی تھی مان لو اس کتاب کو جو ہم نے اب نازل کی ہے اور جو اس کتاب کی تصدیق و تائید کرتی ہے جو تمہارے پاس پہلے سے موجود تھی۔ اس پر ایمان لے آؤ قبل اس کے کہ ہم چہرے بگاڑ کر پیچھے پھیر دیں یا ان کو اسی طرح لعنت زدہ کر دیں جس طرح سبت والوں کے ساتھ ہم نے کیا تھا"۔

(سورۃ النسآء ۴۔ رکوع ۷)

اس لئے قرآن مجید کو "اُمّ الکتاب" خود ان ساری آیات کے پیش نظر صحیح نہیں۔ اقبالؔ نے عشق کو "اُمّ الکتاب" سے مثال اس لئے دی ہے کہ جس طرح "اُمّ الکتاب" ساری آسمانی کتابوں کا سرچشمہ ہے اُسی طرح عشق کا جذبہ ہی روز ازل ہی انسان کی فطرت میں ودیعت کر دیا گیا تھا۔ خدا سے عشق اور اس کی محبت میں جانی و مالی قربانیاں دینا اُس کی فطرت ثانیہ رہی ہے۔ اللہ کے صالح اور نیک بندے ہمیشہ خدا کی طرف رجوع ہوتے رہے اور یہی جذبہ خدا اور رسولؐ کی اطاعت کی طرف مائل کرتا ہے اس لئے اقبالؔ کہتے ہیں کہ: "عقل و دل و نگاہ کا مرشدِ اوّلیں ہے عشق"۔ اقبال جب عشق کی باتیں کرتے ہیں تو اس سے ان کی مراد عشق رسولؐ ہے کیونکہ خدا تعالیٰ واضح طور

پر فرماتا ہے کہ تم اگر واقعی اللہ سے محبت رکھتے ہو تو رسولؐ کی پیروی اختیار کرو اور اس کی اطاعت کرو انہی ارشادات کی ترجمانی اقبال کے اس مصرعہ میں ملتی ہے ؎

مومن نہیں جو صاحبِ لولاک نہیں ہے !

اس لئے کہ "عشق" کے مضمرات پر اقبال نے خود اس طرح "بالِ جبریل" کی نظم "مسجد قرطبہ" میں ڈالی ہے :-

مردِ خدا کا عمل عشق سے صاحب فروغ
عشق ہے اصلِ حیات، موت ہے اس پر حرام
تُند و سبک سیر ہے گرچہ زمانہ کی رو
عشق خود ایک سیل ہے، سیل کو لیتا ہے تھام
عشق کی تقویم میں عصرِ رواں کے سوا
اور زمانے بھی ہیں جن کا نہیں کوئی نام!
عشق دمِ جبرئیل، عشق دلِ مصطفےٰؐ
عشق خدا کا رسول، عشق خدا کا کلام!
عشق کی مستی سے ہے پیکرِ گل تابناک
عشق ہے صہبائے خام، عشق ہے کاس الکرام
عشق فقیہِ حرم، عشق امیرِ جنود
عشق ہے ابن السبیل اس کے ہزاروں مقام
عشق کے مضراب سے نغمۂ تارِ حیات
عشق سے نورِ حیات، عشق ہے نارِ حیات!

چشمِ مُسلم دیکھ لے تفسیرِ حرفِ "یَنسِلُونَ"

اِس مضمون میں اقبالؔ کے درج ذیل اشعار زیرِ بحث ہیں :۔

محنت و سرمایہ دنیا میں صف آرا ہو گئے
دیکھئے ہوتا ہے کس کس کی تمناؤں کا خون

حکمت و تدبیر سے یہ فتنۂ آشوب خیز
ٹل نہیں سکتا "وَقَدْ کُنتُمْ بِہٖ تَستَعجِلُونَ"

"کھل گئے" یاجوج اور ماجوج کے لشکر تمام
چشمِ مسلم دیکھ لے تفسیرِ حرفِ "یَنسِلُونَ"

اقبال اسلامی معاشی نظام کے دلدادہ تھے جہاں "لَیسَ لِلاِنسَانِ اِلّا مَا سَعٰی" کا اصول کارفرما ہے۔ اس لئے انہوں نے اپنی ساری زندگی سرمایہ داری پر لعنت بھیجی اور مزدوروں کی حمایت کی۔ اقبالؔ نے اوائل زندگی میں معاشیات پر ایک کتاب بھی تصنیف کی تھی۔ یہ اشعار ۱۹۱۷ء میں روسی اشتراکی انقلاب سے متاثر ہو کر کہے گئے تھے یہ دنیا کی حالیہ تاریخ میں سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف پہلی جنگ اور فتح تھی۔ اقبال اشتراکی نہ تھے مگر سرمایہ دارانہ نظام پر کاری ضرب لگتے دیکھ کر انہیں دنیاوی معاشی نظام کے اسلام کے قریب تر آنے کی جھلک دکھائی دی۔ چنانچہ متذکرہ بالا اشعار میں انہوں نے محنت و سرمایہ کی اس جنگ کے نتیجوں سے مسلمانوں کو ہی مخاطب کیا ہے۔

اشتراکی معاشی نظام اسلامی معاشی نظام سے قریب تر ہے مگر اس فلسفہ کی بنیاد چونکہ لادینیت پر ہے اس لئے اقبال نے جب اشتراکیت پر "ضربِ کلیم" میں "اشتراکیت" کارل مارکس کی آواز "بالشویک روس" اور "بالِ جبریل" میں "لینن" اور "فرمانِ خدا" جیسی نظمیں لکھیں تو وہ مسلمانوں کو یہ باور کرا رہے تھے کہ ؎

قوموں کی روش سے مجھے ہوتا ہے یہ معلوم
بے سود نہیں روس کی یہ گرمئ گفتار!
اندیشہ ہوا شوخئ افکار پہ محمول
فرسودہ طریقوں سے زمانہ ہوا بیزار!
انسان کی ہوس نے جنھیں رکھا تھا چھپا کر
کھلتے نظر آتے ہیں بتدریج وہ اسرار!
جو حرفِ قلِ العفو میں پوشیدہ ہے اب تک
اس دور میں شاید وہ حقیقت ہو نمودار!

(ضربِ کلیم: "اشتراکیت")

اقبال کو اس گرمئ گفتار میں وہ اسرار بتدریج کھلتے نظر آئے جسے انسان نے اپنی ہوس کی خاطر اب تک چھپا کر رکھا تھا اور وہ اسرار پوشیدہ ہے "قلِ العفو" میں۔ جن کے متعلق قرآن میں ارشاد ہے:۔

"لوگ پوچھتے ہیں: ہم کیا خرچ کریں؟ ۔ اے نبیؐ جواب دو کہ: جو مال بھی تم خرچ کرو اپنے والدین رشتہ داروں پر یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں پر خرچ کرو۔ جو بھلائی بھی تم کرو گے اللہ اس سے باخبر ہوگا"۔

(سورۃ البقرہ ۲۔ رکوع ۲۶)

"پوچھتے ہیں: ہم راہ خدا میں کیا خرچ کریں؟ اے نبیؐ کہو: جو کچھ تمھاری ضرورت سے زیادہ ہو (قلِ العفو)۔ اس طرح اللہ تمہارے لئے صاف صاف احکام بیان کرتا ہے شاید کہ تم دنیا اور آخرت دونوں کی فکر کرو"۔

(سورۃ البقرہ ۲۔ رکوع ۲۷)

چشمِ مسلم دیکھ لے تفسیرِ حرفِ "یَنسِلُونَ"

اِس مضمون میں اقبالؔ کے درج ذیل اشعار زیرِ بحث ہیں:۔

محنت و سرمایہ دنیا میں صف آرا ہو گئے — دیکھئے ہوتا ہے کس کس کی تمناؤں کا خون
حکمت و تدبیر سے یہ فتنۂ آشوب خیز — ٹل نہیں سکتا "وَقَد کُنتُم بِہٖ تَستَعجِلُونَ"
"کھل گئے" یاجوج اور ماجوج کے لشکر تمام
چشمِ مسلم دیکھ لے تفسیرِ حرفِ "یَنسِلُونَ"

اقبال اسلامی معاشی نظام کے دلدادہ تھے جہاں "لَیسَ لِلاِنسَانِ اِلّا مَا سَعٰی" کا اصول کارفرما ہے۔ اس لئے انہوں نے اپنی ساری زندگی سرمایہ داری پر لعنت بھیجی اور مزدوروں کی حمایت کی۔ اقبالؔ نے اوائل زندگی میں معاشیات پر ایک کتاب بھی تصنیف کی تھی۔ یہ اشعار ۱۹۱۷ء میں روسی اشتراکی انقلاب سے متاثر ہو کر کہے گئے تھے یہ دنیا کی حالیہ تاریخ میں سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف پہلی جنگ اور فتح تھی۔ اقبال اشتراکی نہ تھے مگر سرمایہ دارانہ نظام پر کاری ضرب لگتے دیکھ کر انہیں دنیاوی معاشی نظام کے اسلام کے قریب تر آنے کی جھلک دکھائی دی۔ چنانچہ متذکرہ بالا اشعار میں انہوں نے محنت و سرمایہ کی اس جنگ کے نتیجوں سے مسلمانوں کو ہی مخاطب کیا ہے۔

اشتراکی معاشی نظام اسلامی معاشی نظام سے قریب تر ہے مگر اس فلسفہ کی بنیاد چونکہ لادینیت پر ہے اس لئے اقبال نے جب اشتراکیت پر "ضربِ کلیم" میں "اشتراکیت" کارل مارکس کی آواز "بالشویک روس" اور "بالِ جبریل" میں "لینن" اور "فرمانِ خدا" جیسی نظمیں لکھیں تو وہ مسلمانوں کو یہ باور کرا رہے تھے کہ ؎

قوموں کی روش سے مجھے ہوتا ہے یہ معلوم
بے سود نہیں روس کی یہ گرمئ گفتار!
اندیشہ ہوا شوخئ افکار پہ محمول
فرسودہ طریقوں سے زمانہ ہوا بیزار!
انسان کی ہوس نے جنھیں رکھا تھا چھپا کر
کھلتے نظر آتے ہیں بتدریج وہ اسرار!
جو حرفِ قلِ العفو میں پوشیدہ ہے اب تک
اس دور میں شاید وہ حقیقت ہو نمودار!

(ضربِ کلیم: "اشتراکیت")

اقبال کو اس گرمئ گفتار میں وہ اسرار بتدریج کھلتے نظر آئے جسے انسان نے اپنی ہوس کی خاطر اب تک چھپا کر رکھا تھا اور وہ اسرار پوشیدہ ہے "قلِ العفو" میں۔ جن کے متعلق قرآن میں ارشاد ہے:۔

"لوگ پوچھتے ہیں: ہم کیا خرچ کریں؟ ۔ اے نبیؐ جواب دو۔ کہ: جو مال بھی تم خرچ کرو اپنے والدین رشتہ داروں پر یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں پر خرچ کرو۔ جو بھلائی بھی تم کرو گے اللہ اس سے باخبر ہوگا۔"

(سورۃ البقرہ ۲۔ رکوع ۲۶)

"پوچھتے ہیں: ہم راہ خدا میں کیا خرچ کریں؟ اے نبیؐ کہو: جو کچھ تمھاری ضرورت سے زیادہ ہو (قلِ العفو)۔ اس طرح اللہ تمہارے لئے صاف صاف احکام بیان کرتا ہے شاید کہ تم دنیا اور آخرت دونوں کی فکر کرو۔"

(سورۃ البقرہ ۲۔ رکوع ۲۷)

یہ ساری باتیں "بانگ درا" کے زیرِ غور ظریفانہ اشعار کے تحت اِس لئے لائی گئیں اس لئے اشتراکیت پر اقبال کی اتنی ساری نظموں اور اشعارِ کثیر سے یہ تاثر پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ اشتراکی نظریۂ خیال کے تھے۔ مسلمان سب کچھ ہو سکتا ہے مگر اشتراکی نہیں ہو سکتا کیوں کہ اس کی بنیاد لادینیت پر ہے اور اس کے بانی کارل مارکس نے مذہب کو "افیون" قرار دیا تھا۔ اور اقبال کا نظریہ یہ تھا کہ ؎

جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

اقبال نے اِسی لئے روسی کمیونسٹوں کو دہریہ کہا ہے ؎

یہ وحی دہریت روس پر ہوئی نازل
کہ توڑ ڈال کلیسائیوں کے لات و منات

(ضربِ کلیم: "بالشویک روس")

اقبال اگر آج زندہ ہوتے تو کوئی درج ذیل اشعار پر انہیں "نکسلائٹ" بھی کہہ دیتا ؎

اٹھو مری دنیا کے غریبوں کو جگا دو
کاخِ اُمرا کے در و دیوار ہلا دو!
گرماؤ غلاموں کا لہو سوزِ یقیں سے
کنجشک فرومایہ کو شاہیں سے لڑا دو
سلطانیٔ جمہور کا آتا ہے زمانہ
جو نقشِ کہن تم کو نظر آئے مٹا دو
جس کھیت سے دہقاں کو میسر نہیں روزی
اس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلا دو
کیوں خالق و مخلوق میں حائل رہیں پردے
پیرانِ کلیسا کو کلیسا سے اٹھا دو

(بالِ جبریل: فرمانِ خدا)

"بانگ درا" کے زیرِ غور اشعار میں اقبالؔ نے کمیونزم کو "فتنہ آشوب خیز" قرار دیا ہے اور یہ بھی کہ حکمت و تدبیر سے بھلے مغربی سامراجی اسے کچھ عرصے تک ٹال سکیں مگر اب دنیا کے مزدور جاگ اٹھے ہیں اس لئے اس کا ٹالنا اُس طرح ناممکن ہے جس طرح قیامت کا ٹالنا۔ محنت و سرمایہ کی صف آرائی کا نتیجہ کیا ہوگا اس کا نقشہ اقبالؔ قیامت کے مناظر سے پیش کرتے ہیں۔ دوسرے شعر کے دوسرے مصرعہ میں قرآنی آیات کی شانِ نزول قرآن میں یہ ہے کہ جب رسولؐ اللہ دعوتِ حق دیے تھے تو کافر اور منکر ان سے طرح طرح کے سوالات کرتے تھے جن میں ایک سوال یہ بھی تھا کہ جب تم روزِ آخرت سے اتنا ڈراتے ہو تو آخر یہ قیامت آکیوں نہیں جاتی۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں اور اقبالؔ اس شعر میں انہی باتوں کی یاد دلاتے ہیں:۔

"کہتے ہیں اگر تمہاری (نبیؐ کی) یہ دھمکی سچی ہے تو آخر یہ کب پوری ہوگی؟" میرے اختیار میں تو خود اپنا نفع و ضرر بھی نہیں۔ سب کچھ اللہ کی مشیّت پر موقوف ہے۔ ہر اُمّت کے لئے مہلت کی ایک مدّت ہے۔ جب وہ مدّت پوری ہو جاتی ہے تو گھڑی بھر کی تقدیم و تاخیر بھی نہیں ہوتی"۔ ان سے کہو: "کبھی تم نے یہ بھی سوچا کہ اگر اللہ کا عذاب اچانک رات کو یا دن کو آجائے تو تم کیا کر سکتے ہو"۔ آخر یہ ایسی کون چیز ہے جس کے لئے مجرم جلدی میں ہیں۔ کیا جب وہ تم پر آپڑے اسی وقت تم اسے مانو گے۔ اب بچنا چاہتے ہو۔ حالانکہ تم خود اس کے جلدی آنے کا تقاضہ کر رہے تھے۔ (اٰلْـٰٔنَ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ) پھر ظالموں سے کہا جائے گا کہ اب ہمیشہ کے عذاب کا مزہ چکھو۔ جو کچھ تم کماتے رہے اس کی پاداش کے سوا اور کیا بدلہ تم کو دیا جا سکتا ہے"۔

(سورۃ یونس ۱۰۔ رکوع ۵)

آخری شعر میں یاجوج اور ماجوج کا تذکرہ ہے جس کی تفصیل سورۃ "الکھف ۱۸ رکوع ۱۱ میں "ذوالقرنین" کے حوالہ سے ملتی ہے "ذوالقرنین" کے لغوی معنی دو سینگوں والا ہے۔ یہ کون تھے اس کا پتہ مفسرین کو اب تک تحقیقی طور پر نہیں چلا۔ قصص الانبیاء والوں نے یونان کے بادشاہ سکندر، جس نے ہندوستان پر حملہ کیا تھا اسے ذوالقرنین کہا ہے۔ اُردو شاعری میں "آئینۂ سکندری" کی جو بات آئی ہے اسی سے منسوب کی گئی ہے۔ بعد کے محققین اور مفسرین نے اسے ایرانی فرمانروا خورس (خسرو یا سائرس) کا قیاس لگایا ہے جو ۵۴۹ قبل مسیح میں ایران کا فرمانروا تھا۔ مگر دوسرے مفسرین اسے قرینِ قیاس نہیں سمجھتے۔ "ذوالقرنین" کے متعلق قرآن میں ارشاد ہے:۔

"اور اے نبیؐ، یہ لوگ تم سے ذوالقرنین کے بارے میں پوچھتے ہیں
ان سے کہو: "میں اس کا کچھ حال تم کو سناتا ہوں"۔
"ہم نے اس کو زمین میں اقتدار عطا کر رکھا تھا اور اسے ہر قسم کے اسباب وہ سائل بخشے تھے۔ (پہلے مغرب کی طرف ایک مہم کا) سروسامان کیا..... پھر اس نے (ایک دوسری مہم کی) تیاری کی..... پھر اس نے ایک اور مہم کا سامان کیا یہاں تک کہ جب دو پہاڑوں کے درمیان پہنچا تو اسے ان کے پاس ایک قوم ملی جو مشکل ہی سے کوئی بات سمجھتی تھی۔ ان لوگوں نے کہا کہ: "اے ذوالقرنین یاجوج اور ماجوج اس سرزمین میں فساد پھیلاتے ہیں۔ تو کیا ہم تجھے کوئی ٹیکس اس کام کے لئے دیں کہ ہمارے اور ان کے درمیان ایک بند تعمیر کر دے"۔
اس نے کہا: "جو کچھ میرے رب نے مجھے دے رکھا ہے وہ بہت ہے۔ تم بس محنت سے میری مدد کرو۔ میں تمہارے اور ان کے درمیان بند بنائے دیتا ہوں۔ مجھے لوہے کی چادریں

لادو" آخر جب دونوں پہاڑوں کے درمیانی خلاء کو اُس نے پاٹ دیا تو لوگوں سے کہا کہ: "اب آگ دہکاؤ حتّٰی کی جب (آہنی دیوار) بالکل آگ کی طرح سرخ کر دی تو اس نے کہا: "لاؤ "اب میں اس پر پگھلا ہوا تانبا انڈیل دو (یہ بند ایسا تھا کہ) یاجوج اور ماجوج اس پر چڑھ کر بھی نہ آسکتے تھے۔ اور اس میں نقب لگانا ان کے لئے اور بھی مشکل تھا۔ ذوالقرنین نے کہا: "یہ میرے رب کی رحمت ہے۔ مگر جب میرے رب کے وعدے کا وقت آئے گا تو وہ اس کو پیوند خاک کر دے گا اور میرے رب کا وعدہ برحق ہے"۔

(سورۃ الکھف ۱۸۔ رکوع ۱۱)

"وعدۂ برحق" سے مراد قیامت برپا کرنے کا وعدہ ہے کیونکہ خدا خود فرماتا ہے:۔

"یہ (قیامت کا برپا کیا جانا) ایک وعدہ ہے ہمارے ذمے اور یہ کام ہمیں بہرحال کرنا ہے"۔

(سورۃ الانبیاء ۲۱۔ رکوع ۷)

مفسرین نے یاجوج اور ماجوج سے مراد ایشیا کے شمال مشرق علاقہ کی۔ ان قوموں کو لیا ہے جو قدیم زمانے سے متمدن ممالک پر غارت گرانہ حملے کرتی رہی ہیں اور جن کا سیلاب وقتاً فوقتاً اٹھ کر ایشیا اور یورپ دونوں طرف رخ کرتے رہے ہیں۔

روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کی دس نشانیاں بتائیں ہیں جن میں ایک یاجوج اور ماجوج کی یورش بھی بتائی ہے۔ ان کی یورش کے فوراً ہی بعد قیامت آجائے گی۔ اقبال کے زیر غور اشعار میں"

کھل گئے یاجوج اور ماجوج کے لشکر تمام"۔ اور "یَنْسَلُوْنَ" درجِ ذیل آیات سے ماخوذ ہیں :۔

"سب کو ہماری طرف پلٹنا ہے۔ پھر جو نیک عمل کرے گا اِس حال میں کہ وہ مومن ہو تو اس کے کام کی ناقدری نہ ہوگی اور اسے ہم لکھ رہے ہیں اور ممکن نہیں کہ جس بستی کو ہم نے ہلاک کر دیا وہ پھر پلٹ سکے یہاں تک کہ یاجوج ماجوج کھول دئے جائیں گے اور ہر بلندی سے وہ نکل پڑیں گے (حَتّٰٓی اِذَا فُتِحَتْ یَاجُوْجُ وَمَاجُوْجُ وَھُمْ مِّنْ کُلِّ حَدَبٍ یَّنْسِلُوْنَ) اور وعدۂ برحق پورا ہونے کا وقت قریب آ لگے گا تو یکایک ان لوگوں کے دیدے پھٹے کے پھٹے رہ جائیں گے جنہوں نے کفر کیا تھا"۔

(سورۃ الانبیآء ۲۱۔ رکوع ۷)

لفظ "یَنْسِلُوْن" قرآن میں سورۃ یٰسٓ ۳۶، رکوع ۳ اور ۴ میں بھی قیامت کے سلسلے میں وارد ہوا ہے :۔

"یہ لوگ کہتے ہیں کہ: "قیامت کی دھمکی آخر کب پوری ہوگی؟ بتاؤ اگر تم (سچے) ہو"۔ دراصل یہ جس چیز کی راہ تک رہے ہیں وہ بس ایک دھماکہ ہے جو یکایک انہیں اس حالت میں دھر لے گا جب یہ اپنے دنیوی معاملات میں جھگڑ رہے ہوں گے۔ اس وقت یہ وصیت تک نہ کر سکیں گے۔ نہ اپنے گھروں کو پلٹ سکیں گے پھر ایک صور پھونکا جائے گا اور یکایک یہ اپنے رب کے حضور میں پیش ہونے کیلئے اپنی اپنی قبروں سے نکل پڑیں گے۔ (وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَاِذَا ھُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰی رَبِّھِمْ یَنْسِلُوْنَ) گھبرا کر کہیں گے: ارے یہ کس نے ہمیں ہماری خوابگاہ سے اٹھا کر

کھڑا کیا یہ وہی چیز ہے جس کا خدائے رحمٰن نے وعدہ کیا تھا
اور رسولوں کی بات سچی تھی۔ ایک ہی زور کی آواز ہوگی اور
سب کے سب ہمارے سامنے حاضر کر دئے جائیں گے۔"

قیامت کا منظر کیا ہوگا اس پر سورۃ النبا ۷۸، رکوع ۱۔
سورۃ الحج ۲۲۔ رکوع ۱۔ سورۃ المؤمنون ۲۳۔ رکوع ۶۔
اور سورۃ النمل ۲۷۔ رکوع ۷ میں بھی تفصیلات ملتی ہیں۔

اقبالؔ نے زیر غور اشعار میں "چشم مسلم دیکھ لے" کہہ کر مسلمانوں کو اسی روز آخرت کی یاد دلائی ہے جس دن ہر مسلمان کو اس کی سعی کی جزا دی جائے گی اور یہ باور کرایا ہے کہ ؎

یہ "لسان العصر" کا پیغام ہے
اِنَّ وَعدَ اللّٰہِ حَقّ یاد رکھ
(بانگ درا: غزلیات حصہ سوم")

نوٹ: "لسان العصر" سے مراد اکبرؔ الہ آبادی ہیں

اقبال کے چند اشعار قرآن کی روشنی میں

مری نوا میں نہیں ہے ادائے محبوبی
کہ بانگِ صور سرافیل دل نواز نہیں

(بال جبریل" غزل ۱۵)

اس شعر میں اقبال یہ بتاتے ہیں کہ اردو کے شعراء کی عشقیہ شاعری لوگوں کے کانوں میں اس طرح رچ بس گئی ہے کہ جب میں اپنے شعر پر نظر کرتا ہوں تو اس میں بجائے "ادائے محبوبی" کے "بانگِ صورِ اسرافیل" سنائی دیتی ہے۔ اقبال نے ایک طرف تو مروجہ اردو غزل گوئی پر طنز کیا ہے اور دوسری طرف اپنے کلام کی غرض و غایت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ جس طرح "بانگِ صورِ سرافیل" سے حشر کے دن مردہ زندہ کئے جائیں گے اسی طرح وہ آج اپنے کلام سے مردہ روحوں میں نئی زندگی لانے کی کوشش کر رہے ہیں "بانگ صورِ سرافیل" کی تلمیح درج ذیل آیات سے ماخوذ ہیں:۔

"پھر ایک صور پھونکا جائے گا اور یکایک یہ اپنے رب کے حضور پیش ہونے کے لئے اپنی قبروں سے نکل پڑیں گے گھبرا کر کہیں گے: ارے یہ کس نے ہماری خواب گاہ سے اٹھا کر کھڑا کیا؟ یہ وہی چیز ہے جس کا خدائے رحمٰن نے وعدہ کیا تھا اور رسولوں کی بات سچی تھی"۔

(سورۃ یٰسٓ ۳۶۔ رکوع ۴)

اسرافیلؑ تو مردوں کو زندہ کرنے کے لئے صور پھونکینگے مگر اقبال مُردہ دلوں کو زندہ کرنے کے لئے صور پھونک رہے تھے کیوں کہ ؎

دلِ مُردہ دل نہیں ہے اسے زندہ کر دوبارہ
کہ یہی ہے اُمتوں کے مرضِ کہن کا چارہ

(ضربِ کلیم: غزل)

اقبال کو یہ احساس تھا کہ ان کا صورِ صدا بہ صحرا ثابت نہ ہوگا اور باوجود اس کے کہ اُن کے کلام "ادائے خبوبی" نہیں لوگ خوابِ گراں سے جاگ اٹھیں گے اور قبل اس کے کہ اسرافیلؑ صور پھونکیں ہمارا صور کام کر چکے گا۔ وہ اپنی قوم سے اتنے پُر امید تھے کہ اسرافیلؑ تک اقبال کے صور سے گھبرا کر خدا سے شکایت کر بیٹھے کہ ؎

حضورِ حق میں اسرافیلؑ نے میری شکایت کی
یہ بندہ وقت سے پہلے قیامت کر نہ دے برپا

(" بالِ جبریل" غزل ۱)

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے
مومن کی پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق

(" ضربِ کلیم": "کافر و مومن")

اقبال کا یہ شعر درج ذیل آیات کا ترجمان ہے :۔

"جو کوئی طاغوت کا انکار کر کے اللہ پر ایمان لے آیا اس نے ایک ایسا مضبوط سہارا تھام لیا جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں۔ اور اللہ (جس کا سہارا اس نے لیا ہے) سب کچھ سُننے اور جاننے والا ہے۔ جو لوگ ایمان لاتے ہیں ان کا حامی مددگار اللہ ہے۔ اور وہ ان کو تاریکیوں سے روشنی میں نکال لاتا ہے۔ اور جو لوگ کفر کی راہ اختیار کرتے ہیں اُن کے حامی و مددگار طاغوت ہیں۔ اور وہ انہیں روشنی سے تاریکیوں کی طرف کھینچ لے

جاتے ہیں۔ یہ لوگ آگ میں جانے والے لوگ ہیں۔ جہاں یہ ہمیشہ رہیں گے۔"

(سورۃ البقرہ ۲۔ رکوع ۲۴)

"ان میں سے (غفلت میں پڑے لوگوں میں سے) اکثر لوگ فیصلۂ عذاب کے مستحق ہو چکے ہیں۔ اس لئے وہ ایمان نہیں لاتے۔ ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال دیئے ہیں جن میں وہ ٹھوڑیوں تک جکڑے گئے ہیں اور اس لئے وہ سر اٹھائے کھڑے ہیں۔ ہم نے ایک دیوار ان کے آگے کھڑی کر دی ہے۔ اور ایک دیوار ان کے پیچھے۔ ہم نے انہیں ڈھانک دیا ہے۔ اُنہیں اب کچھ نہیں سوجھتا۔ ان کے لئے یکساں ہے۔ تم (نبیؐ) انہیں خبردار کرو یا نہ کرو۔ یہ نہ مانیں گے۔"

(سورۃ یٰسٓ ۳۶۔ رکوع ۱)

اقبالؔ نے کافر کی پہچان یہ بتائی ہے کہ "آفاق میں گم ہے" یعنی وہ ایسا بھٹکا ہوا ہے کہ اسے نہ منزل کا پتہ ہے نہ راستہ معلوم۔ برعکس اس کے مومن کی پہچان یہ ہے کہ "گم اس میں ہیں آفاق" یعنی جس طرح خدا ساری کائنات پر چھایا ہوا ہے اسی طرح ایک مومن خدا کا نائب ہونے کی وجہ سے ساری کائنات پر چھا کر وہ فریضہ انجام دے رہا ہے جس کے لئے انسان کی تخلیق کی گئی ہے۔ کافر اور مومن کے فرق پر مزید روشنی ان آیات میں بھی ملتی ہے جو اقبالؔ کے ان تصورات کا موجب بنے:

"ان دونوں فریقوں (کافر و مومن) کی مثال ایسی ہے جیسے ایک آدمی تو ہو اندھا اور بہرا اور دوسرا ہو دیکھنے سننے والا کیا یہ دونوں یکساں ہو سکتے ہیں؟ کیا تم (اس مثال سے) کوئی سبق

نہیں لیتے ؟"

(سورۃ شوریٰ ۱۱۔ رکوع ۲)

"اے نبیؐ، تم صرف ان لوگوں کو خبردار کر سکتے ہو جو بے دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔ اور نماز قائم رکھتے ہیں۔ جو شخص بھی پاکیزگی اختیار کرتا ہے اپنی ہی بھلائی کے لئے کرتا ہے۔ اور پلٹنا سب کو اللہ ہی کی طرف ہے۔ اندھا اور آنکھوں والا برابر نہیں ہے۔ نہ تاریکیاں اور روشنی یکساں ہیں۔ نہ ٹھنڈی چھاؤں اور دھوپ کی تپش ایک جیسی ہے اور نہ زندے اور مردے مساوی ہیں۔ اللہ جسے چاہتا ہے سنوارتا ہے مگر (اے نبیؐ) تم ان لوگوں کو نہیں سنا سکتے جو قبروں میں مدفون ہیں"

(سورۃ فاطر ۳۵۔ رکوع ۳)

واقف ہو اگر لذتِ بیداریٔ شب سے
اونچی ہے ثریا سے بھی یہ خاکِ پراسرار!

بیداریٔ شب پر اقبال کے یہ تصورات درج ذیل آیات پر مبنی ہیں :—

"اے اوڑھ لپیٹ کر سونے والے، رات کو نماز میں کھڑے رہا کرو۔ مگر کم آدھی رات یا اس سے کچھ کم کر لو۔ یا اس سے کچھ زیادہ بڑھا لو۔ اور قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھو۔ ہم تم پر ایک بھاری کلام نازل کرنے والے ہیں۔ درحقیقت رات کا اٹھنا نفس پر قابو پانے کے لئے بہت کارگر اور قرآن ٹھیک پڑھنے کے لئے زیادہ موزوں ہے۔ دن

کے اوقات میں تو تمہارے لئے بہت مصروفیات ہیں۔ اپنے رب کا ذکر کرلیا کرو۔ اور سب سے کٹ کر اسی کے ہو رہو"

(سورۃ المزمل ۷۳۔ رکوع ۱)

"اپنے رب کا نام صبح و شام یاد کرو۔ رات کو بھی اس کے حضور سجدہ ریز ہو۔ اور رات کو طویل اوقات میں اس کی تسبیح کرتے رہو۔ یہ لوگ تو جلدی حاصل ہونے والی چیز (دنیا) سے محبت رکھتے ہیں۔ اور آگے جو بھاری دن آنے والا ہے نظر انداز کر رہے ہیں"

(سورۃ الدھر ۷۶۔ رکوع ۲)

"اے نبیؐ، تمہارا رب جانتا ہے کہ تم کبھی دو تہائی رات کے قریب اور کبھی آدھی رات اور کبھی ایک تہائی رات میں کھڑے رہتے ہو۔ اور تمہارے ساتھیوں میں سے بھی ایک گروہ یہ عمل کرتا ہے"

(سورۃ المزمل ۷۳۔ رکوع ۲)

سورۃ المزمل" کی متذکرہ بالا پہلی آیات میں خدائے تعالیٰ نے بیداریٔ شب کو نفس پر قابو پانے کے لئے سب سے کارگر اور قرآن قرآن ٹھیک پڑھنے کے لئے زیادہ موزوں قرار دیا ہے۔ قرآن ٹھیک پڑھنے سے مراد قرآنی تعلیمات کو سکون و اطمینان سے اپنے دل کی گہرائیوں میں اتارنا ہے۔ نہ کی ثواب کی خاطر میکانکی طور پر پڑھ لینے کا۔ انسان کا سب سے بڑا دشمن شیطان ہے جو نفس میں وسوسے پیدا کرتا ہے اس لئے "بیداریٔ شب" کا دوسرا اہم ترین پہلو، قرآن کی روشنی میں نفس پر قابو پانا ہے کیونکہ بقول ذوقؔ

بڑے موذی کو مارا، نفسِ امّارہ کو گر مارا
نہنگ و اژدھا و شیر نر مارا تو کیا مارا

اقبال نے جو "لذّتِ بیداری شب" کی بات کہی ہے وہ اسی نفس پر قابو پانے کی باتوں کی ترجمانی کی ہے۔ اور ایسا انسان اس مقام پر پہنچ جاتا ہے جو ثریا سے بھی اونچا ہے۔

مقام فکر ہے پیمائشِ زمان و مکاں
مقام ذکر ہے سبحانَ ربی الاعلیٰ!
(ضربِ کلیم: "ذکر و فکر")

"مقام" سلوک کی ایک خاص اصطلاح ہے۔ جس سے مراد سلوک کی وہ منزل ہے جہاں پہنچ کر ایک سالک قربِ الٰہی کے لئے اس کی راہ میں مجاہدہ کرتا ہے۔

اقبال اس شعر میں ان دونوں مقامات "ذکر" اور "فکر" کی وضاحت قرآن کی رو سے کرتے ہیں۔

شعر کے پہلے دو مصرعہ میں اقبال "فکر" کا مقام "پیمائشِ زمان و مکان (Time and Spee) بتاتے ہیں اور دوسرے مصرعہ میں "ذکر" کا مقام سبحان ربی الاعلیٰ" "سبحان اسم مصدر ہے حق تعالیٰ کو پاکی سے یاد کرنے یعنی پاک ہے میرا رب اور وہ سب سے برتر ہے۔

اقبال کا یہ پورا شعر ان آیات سے ماخوذ ہے جس میں "فکر" اور "ذکر" کے مقامات صحیح طور پر صرف بیان ہی نہیں کئے گئے ہیں بلکہ ان کی وضاحت بھی کی گئی ہے

"زمین اور آسمان کی پیدائش اور رات اور دن کے باری باری سے آنے میں ان ہوشمند لوگوں کے لئے بہت نشانیاں ہیں

(اِنَّ فِی خَلقِ السَّمٰوٰتِ وَالاَرضِ وَاختِلَافِ الَّیلِ وَالنَّھَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الاَلبَابِ) جو اٹھتے بیٹھتے اور لیٹتے ہر حال میں خدا کو یاد کرتے ہیں (اَلَّذِینَ یَذکُرُونَ اللّٰہَ قِیٰمًا وَّقُعُودًا) اور آسمان و زمین کی ساخت میں غور و فکر کرتے ہیں (وَعَلٰی جُنُوبِھِم وَیَتَفَکَّرُونَ فِی خَلقِ السَّمٰوٰتِ وَالاَرضِ) اور وہ بے اختیار بول اٹھتے ہیں: "پروردگار! یہ سب کچھ تو نے فضول اور بے مقصد نہیں بنایا ہے۔ تو پاک ہے اس سے کہ عبث کام کرے پس اے رب! ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچائے۔"

(سورۃ آل عمران ۳۔ رکوع ۲۰)

قرآن مجید کی کوئی سورۃ اٹھائیے کوئی رکوع پڑھیے یا تو "ذکر" کی بات ملے گی یا "فکر" کی اور یہی قرآن کی روح ہے۔ انہی دونوں کے امتزاج سے اقبال نے "فقر" کی اصطلاح وضع کر کے "بال جبریل" میں اسلامی روح کیلئے ایک بہت بڑی عمارت کھڑی کی ہے لوگ کہتے ہیں کہ اقبال کا فلسفہ خودی اور فقر سمجھ میں نہیں آتا کیونکہ یہ بہت abstract ہیں ایسا اسلئے ہے کہ انہوں نے نہ تو "ذکر" کو سمجھا ہے اور نہ "فکر" کو۔ اقبال کہتے ہیں ؎

فقرِ قرآں اختلاطِ ذکر و فکر

فکر را کامل نہ دیدیم جز بجز بہ ذکر

اقبال نے مقامِ "فکر" کو پیمائشِ زماں و مکاں بتایا ہے اس پیمائش کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو اس غور و فکر میں رہنا چاہیئے کہ کائنات میں جو کچھ ہے وہ صرف اسمائے صفاتِ الٰہیہ کی وجہ بن کر ہے اور زندہ رہنے والا صرف خدا کی ذات ہے یہ نشانیاں (آیات) جو ہم دیکھتے ہیں ان کا بذات خود کوئی وجود نہیں۔ اس پیمائش سے اقبال کی مراد ہے کہ زماں اور انسان کا رشتہ یہ ہے کہ اگر وہ عشق سے سرشار ہے یعنی اس میں کردار کی مستی اور نیابتِ الٰہی کے فریضہ کو پورا کرنے کی اہلیت ہے تو

وہ وقت کا راکب ہے۔ اور وقت اس کا مرکب ہے۔ نہیں تو وقت اس کا راکب ہے اور وہ وقت کا مرکب غور و فکر کی بات یہ ہے کہ سارے حادثات وقت سے صادر ہوتے ہیں اور وقت اس کا پورا پورا حساب رکھتا ہے۔ الغرض زمانہ کا انحصار حیات انسانی پر ہے۔

اقبال کے نزدیک زمان و مکاں (Time and Space) کی پیمائش سے انسان اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ خدا کے سوا کسی چیز کا وجود حقیقی نہیں اور انسان نے یہ اصطلاحیں محض اندازبیاں کے لئے وضع کرلی ہیں اس لئے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ :۔

وہی اصلِ مکاں والا مکاں ہے
مکاں کیا شے ہے! اندازبیاں ہے
خضر کیوں کر بتائے، کیا بتائے
اگر ماہی کہے، دریا کہاں ہے

("بالِ جبریل": رباعی بعد غزل ۸)

جو شخص زمان و مکاں کو بھی اللہ کے وجود کے ساتھ حقیقی سمجھتا ہے اسے اقبال اس طرح تعبیر کرتے ہیں ؎

خرد ہوئی ہے زمان و مکاں کی زناری
نہ ہے زمان و مکاں لاالٰہ الا اللہ

(ضربِ کلیم: "لاالٰہ الا اللہ")

"فکر" کی اس منزل پر پہنچ چکنے کے بعد جو اسے "پیمائش زمان و مکاں" سے حاصل ہوئی، اسے خدا کا یہ ارشاد آتا ہے کہ :۔

"فکر" اس دن کی ہونی چاہئے جب کہ ہم پہاڑوں کو چلائینگے اور تم زمین کو بالکل برہنہ پاؤ گے اور ہم تمام انسان کو اس طرح گھیر کر جمع کریں گے کہ اگلوں پچھلوں میں سے ایک بھی نہ

چھوٹے گا اور سب کے سب تمہارے رب کے حضور صف
در صف پیش کئے جائیں گے "

(سورۃ الکہف ۱۸ - رکوع ۶)

زیر تجزیہ شعر کا مصرعہ "مقام ذکر ہے سبحان ربی الاعلیٰ" ہے۔ لفظ "ذکر" قرآن مجید میں کہیں قرآن کے معنی میں آیا ہے اور کہیں یاد الٰہی کے۔ اس مصرعہ میں اقبال نے اسے یاد الٰہی کے معنی میں استعمال کیا ہے :-

"بالیقین جو مرد اور عورتیں مسلم ہیں، مومن ہیں، مطیع فرماں ہیں، راستباز ہیں، صابر ہیں، اللہ کے سامنے جھکنے والے ہیں، صدقہ دینے والے ہیں، روزہ رکھنے والے ہیں، اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں اور اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے ہیں (وَالذّٰکِرِیْنَ اللّٰہَ کَثِیْرًا وَّالذّٰکِرٰتِ) اللہ نے ان کے لئے مغفرت اور بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے "

(سورۃ الاحزاب ۳۳ - رکوع ۵)

"اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتے رہو - شاید تمہیں فلاح نصیب ہو جائے "

(سورۃ الحج ۲۲ - رکوع ۲)

"اپنے رب کے نام کا ذکر کیا کرو اور سب سے کٹ کر اسی کے ہو رہو "

(سورۃ المزمل ۷۳ - رکوع ۱)

اِس مصرعہ میں اقبال نے "سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی" کی تسبیح درج ذیل آیات سے کی ہے :-

"اے نبیؐ، اپنے رب برتر کے نام کی تسبیح کرو (سَبِّحِ اسْمَ

رَبِّكَ الْاَعْلٰی) جس نے پیدا کیا اور تناسب قائم کیا۔ جس نے تقدیر بنائی، پھر راہ دکھائی، جس نے نباتات اگائیں اور پھر انکو سیاہ کوڑا کرکٹ بنا دیا۔"

(سورۃ الاعلیٰ ۸۷۔ رکوع ۱)

احادیث میں حضرت عقبہ بن عامر مجہنی سے منقول ہے کہ :۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدے میں "سبحان ربی الاعلیٰ" پڑھنے کا حکم اس آیت "سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰی" کی بنا پر دیا تھا۔"

(مسند احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ، ابن حبان، حاکم، ابن المنذر)

انہی سے روایت ہے کہ جب یہ آیت "فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ" (پس اے نبیؐ، اپنے ربّ عظیم کی تسبیح کرو (سورۃ الواقعہ ۵۶۔ رکوع ۳) نازل ہوئی تو رسول اللہ نے حکم دیا کہ اس کو تم اپنے رکوع میں رکھ دو۔ یعنی رکوع میں "سبحان ربی الاعظیم" کہا کرو۔

(بحوالہ مسند احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ، ابن حبان، حاکم)

یہی آیت فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ" سورۃ الواقعہ ۵۶ کے رکوع ۲ کی آخری آیت بھی ہے۔ یعنی یہ آیت اس سورۃ میں دوبار آئی ہے۔

اوّل و آخر فنا، باطن و ظاہر فنا
نفسِ کہن ہو کہ نو، منزلِ آخر فنا

(بال جبریل: "مسجد قرطبہ")

مندرجہ بالا شعر نظم "مسجد قرطبہ" کے پہلے بند کا آخری شعر ہے اس شعر کے قبل کی سات اشعار میں اقبال نے "سلسلۂ روز و شب" پر اشعار کہہ کر

یہ بتایا ہے کہ زمانہ ہر وقت انسان کو پرکھتا ہے یہ زمانہ حادثات اور ممکنات کی دنیا ہے اور متذکرہ بالا شعر کے قبل کا شعر ہے۔ کہ ؎

آنی و فانی تمام معجزہ ہائے ہنر
کارِ جہاں بے ثبات، کارِ جہاں بے ثبات

زیرِ تجزیہ شعر میں اقبالؔ دنیا کی ہر چیز کو فانی بتلاتے ہیں خواہ وہ نقشِ کہن ہو یا نقشِ نو۔ سب کی آخری منزل فنا ہے۔ لہٰذا انسان کو زمانہ کی رو میں چلنے کے ساتھ اور زمانہ کے بہاؤ میں بہنے کے ساتھ اس آخری منزل کو سامنے رکھتا ہے۔ اقبالؔ کا یہ شعر قرآن کی ان آیات کی ترجمانی کرتا ہے:۔

"ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے سوائے اس کی ذات کے۔ فرمانروائی اسی کی ہے اور اسی کی طرف تم سب پلٹے جانے والے ہو"

(سورۃ القصص ۲۸۔ رکوع ۹)

"اللہ ہی اچھا ہے اور وہی باقی رہنے والا ہے"

(سورۃ طٰہٰ ۲۰۔ رکوع ۳)

"اے محمدؐ! اس خدا پر بھروسہ رکھو جو زندہ ہے اور کبھی مرنے والا نہیں"

(سورۃ الفرقان ۲۵۔ رکوع ۵)

"اللہ ہی کا اختیار ہے۔ پہلے بھی اور بعد میں بھی"

(سورۃ الروم ۳۰۔ رکوع ۱)

اقبالؔ اس شعر میں دنیا کی بے ثباتی کے ساتھ قرآن کی درج ذیل آیت کی طرف بھی اشارہ کر رہے ہیں:۔

("هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ) وہی اوّل ہے وہی آخر بھی اور ظاہر بھی ہے اور مخفی بھی (سورۃ الحدید ۵۷۔ رکوع ۱)

اس آیت کی تفسیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی ایک دعا کے یہ الفاظ ہیں جنہیں امام احمدؒ، مُسلم، ترمذی اور بیقہی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہٗ سے اور حافظ ابو یعلیٰ موصلی نے اپنی مُسند میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے:۔

انت الاول فلیس قبلك شئ

(تو ہی پہلا ہے کوئی تجھ سے پہلے نہیں)

وانت الاخر فلیس بعدك شئ

(تو ہی آخر ہے کوئی تیرے بعد نہیں)

وانت الظاہر فلیس فوقك شئ

(تو ہی ظاہر ہے کوئی تجھ سے اوپر نہیں)

وانت الباطن فلیس دونك شئ

(تو ہی باطن ہے، کوئی تجھ سے مخفی نہیں)

(بحوالہ "تفہیم القرآن"، سورۃ الحدید ۵۷-حاشیہ ۳)

کھو گیا جو مطلبِ ہفتاد و دو ملّت میں

سمجھے گا نہ تو جب تک بیرنگ نہ ہو ادراک

("بال جبریل"۔غزل ۱۸)

نوٹ:۔ "ہفتاد" کے معنی ستّر کے ہیں جو ہفت سے ہے۔ جس کے معنی ہیں سات۔ اسی سے لفظ ہفتہ بھی ہے یعنی سات دن۔

"ہفتاد و دو" کے معنی ہیں ستّر و دو یعنی بہتّر۔)

اِس شعر میں اقبالؔ مسلمانوں کو یہ بتاتے ہیں کہ تو نے ستّر اور دو یعنی بہتّر ملتیں بنا ڈالی ہیں جن سے مسلمانوں کو ایک ملّت بنانے کا مقصد ہی فوت ہو گیا ہے یہ اس لئے کہ تیری عقل نے بجائے ایک رنگ پکڑنے کے جو ایک ملّت کا مقصود

تھا تو نے بہتر رنگ اختیار کر لیا اور اگر ابھی بھی تو اپنے عقل کو بیرنگ کر دے یعنی جس پر کسی خاص رنگ کا اثر نمایاں نہ ہو اگر ویسا کرے تو تیری سمجھ میں یہ بات آجائے گی کہ ساری ملّت کو ایک ہی ملّت بنانے کا مطلب و مقصد کیا تھا اور وہ بیرنگی قائم ہو سکتی ہے اگر تو خدا کے رنگ میں اپنے کو رنگ لے جس کا کوئی خاص رنگ نہیں۔

اقبال کا یہ شعر: براہ راستِ درجِ ذیل حدیث سے ماخوذ ہے:۔

"حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے:۔

"میری اُمّت میں ضرور ایسا زمانہ گزرے گا جیسا کہ بنی اسرائیل پر گزرا۔ جس طرح جوتے کا ایک تلّہ دوسرے تلّے کے مطابق ہوتا ہے حتّٰی کہ بنی اسرائیل میں سے اگر کسی نے اپنی ماں کے ساتھ کھلّم کھلا زنا کیا ہوگا تو میری امت میں بھی ایسا شخص ہوگا جو اس کام کو کرے گا اور بیشک بنی اسرائیل بہتر فرقے میں منقسم ہوئے اور میری امت تہتّر فرقوں میں منقسم ہوگی بجز ایک فرقے کے سب جہنّم میں جائیں گے۔"

صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا: "یا رسول اللہ علیہ السّلام جنّت میں جانے والا کون سا فرقہ ہوگا؟" آپ نے فرمایا: "جو اس راستہ پر چلا رہا جس پر میں اور میرے صحابہؓ ہیں۔"

(حیاۃ الصحابہؓ۔ جلد اوّل۔ ص ۲۳)

چونکہ یہ امّتِ محمدیؐ ملّتِ ابراہیمی ہونے کی وجہ سے قرآن کی رو سے ایک ہی ملّت ہے اس لئے اقبال اس شعر میں مسلمانوں کا دھیان درج ذیل آیات کی طرف مبذول کراتے ہیں:۔

"واقعہ یہ ہے کہ ابراہیمؑ اپنی ذات سے ایک پوری امت تھا۔"

(سورۃ النحل ۱۶۔ رکوع ۱۶)

"تم کو یکسو ہو کر ابراہیمؑ کے طریقہ کی پیروی کرنی چاہیئے"

(سورۃ آلِ عمران ۳۔ رکوع ۱۰)

"اس شخص سے بہتر اور کس کا طریق زندگی ہو سکتا ہے جس نے اللہ کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیا اور اپنا رویّہ نیک رکھا اور یکسو ہو کر ابراہیمؑ کے طریقہ کی پیروی کی۔ اس ابراہیمؑ کے طریقے کی جسے اللہ نے اپنا دوست بنا لیا تھا"۔

(سورۃ النبیاءؑ ۴۔ رکوع ۱۸)

"قائم ہو جاؤ اپنے باپ ابراہیمؑ کی ملّت پر۔ اللہ نے پہلے بھی تمہارا نام مُسلم رکھا تھا اور اس (قرآن) میں بھی (تمہارا یہی نام ہے) تاکہ رسولؐ تم پر گواہ ہو اور تم لوگوں پر گواہ"

(سورۃ الحج ۲۲۔ رکوع ۱۰)

"سب مل کر اللہ کی رسّی کو مضبوط پکڑ لو اور تفرقہ میں نہ پڑو۔ (وَاعتَصِمُوا بِحَبلِ اللّٰہِ جمیعًا۔ ولا تفرّقوا)۔ اللہ کے اس احسان کو یاد رکھو جو اس نے تم پر کیا ہے۔ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ اس نے تمہارے دل جوڑ دیئے اور اس کے فضل و کرم سے تم بھائی بھائی بن گئے۔ تم آگ سے بھرے ہوئے ایک گڈھے کے کنارے کھڑے تھے۔ اللہ نے تم کو اس سے بچا لیا"۔

(سورۃ آل عمران ۳۔ رکوع ۱۱)

"کہو، اللہ کا رنگ اختیار کرو۔ اس کے رنگ سے اچھا اور کس کا رنگ ہوگا۔ اور ہم اس کی بندگی کرنے والے لوگ ہیں"۔

(سورۃ البقرہ ۲۔ رکوع ۱۷)

حرفِ آخر

فارغ تو نہ بیٹھے گا محشر میں جنوں میرا
یا اپنا گریباں چاک یا دامنِ یزداں چاک

اقبالؔ

("بالِ جبریل"۔ غزل ۱۸)



ضمیمہ

شرح اشعار "محراب گُل افغان کے افکار"

پہلا بند

پہلا شعر:۔ اس شعر میں اقبالؔ نے افغانیوں کی اپنی وطن سے محبت کا اظہار کیا ہے۔ افغانستان چونکہ ایک کوہستانی ملک ہے اور ہر ملک کے باشندوں کو اپنے اِرد گِرد کے مناظر سے انتہائی محبت اور عقیدت ہوتی ہے اس لئے اس شعر میں افغانیوں کی اس محبت و عقیدت کا ذکر ملتا ہے۔

دوسرا شعر:۔ شاہیں اقبالؔ کا سب سے پسندیدہ پرندہ ہے۔ اس کتاب کے شروع میں شاہیں پر ایک مختصر نوٹ بھی ہے۔ اس پرندہ میں اقبالؔ کو وہ سب صفات نظر آتی ہیں جو ایک انسان کو دنیا میں باعزت زندگی گزارنے کے لئے ضروری ہیں۔ چرغ بھی بہت زور آور پرندہ ہے جو چیل تک کا شکار کرتا ہے اس شعر میں اقبالؔ افغانیوں کو ہمیشہ سے شاہین و چرغ کی صفات یاد دلاتے ہیں اور در پردہ وہ انکی جاں بازی اور حریت پسندی کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ اس شعر کے دوسرے مصرع میں اُنہوں نے اس کے برعکس ایسی زندگی جہاں جنگجوئی، محنت اور سرفروشی کا کوئی نمونہ ہو اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے۔ ایسی زندگی کو جہاں انسان صرف بلبل کے شیریں نغموں سے مسحور ہو جائے اور لالہ و گل سے بھرے باغ کو ہی زندگی کا مقصد سمجھنے لگے تو یہ اقبالؔ کے نزدیک مومنانہ زندگی نہیں قرار پاتی۔

تیسرا شعر:۔ اس شعر میں اقبالؔ نے افغانیوں کے پھر اپنے وطن کے ذرے ذرے سے محبت کا ذکر کیا ہے جسے وہ بہشتِ بریں سمجھتا ہے۔

چوتھا شعر:۔ اس شعر میں اقبالؔ نے افغانیوں کی جان بازی کا پھر ایک بار ذکر کیا ہے اور اُسے 'باز' سے مماثلت دی ہے اور اقبالؔ کو یہ اُمید ہے کہ چونکہ باز، کبک رحمام جیسے نازک پرندوں کا غلام نہیں رہ سکتا اسی طرح افغانی بھی انگریزوں کی غلامی پر کبھی بھی رضامند نہیں ہو سکتے۔ انگریزوں نے کافی لمبے عرصے تک افغانستان کو اپنا غلام بنانے کی کوشش کی مگر افغانی، جو ہمیشہ سے جری قوم رہی ہے ان کا مقابلہ کرتی رہی۔ اس شعر کے دوسرے مصرعہ میں اقبالؔ نے افغانستانیوں کے اس ضمیر کی طرف اشارہ کیا ہے جو ہمیشہ خوددار رہی ہے۔ اقبالؔ کا کہنا ہے کہ جب انسان اپنی ضمیر کو ختم کر دیتا ہے تو پھر اس میں انسانیت باقی نہیں رہتی۔ اس لئے اقبالؔ صرف افغانیوں کو ہی نہیں بلکہ تمام مسلمانوں کو بجائے اپنی بدن کے حفاظت کے (یعنی دنیاوی جاہ وجلال کی خاطر) اپنے ضمیر کو قربان کرنے کی صلاح نہیں دیتے بلکہ اس کی حفاظت میں لگے رہنا ہی ایک باعزت زندگی کا طرۂ امتیاز ہے۔

پانچواں شعر:۔ اس مضمون کے شروع میں فقر پر ایک نوٹ ہے۔ اقبالؔ اس شعر میں افغانیوں کے سامنے یہ سوال رکھتے ہیں کہ جب کہ انگریز انہیں بہت سے اکرام وانعامات دے کر خریدنے پر تلے ہوئے ہیں تو کیا یہ افغانی اپنے ضمیر کو بیچ کر انگریزوں کی خلعت اور ان کے دئے ہوئے انعامات سے مطمئن ہو جائینگے۔ اقبالؔ اس فقر وغیور کی طرف اشارہ کرتے ہیں جسے اپنا کر رسول اللہؐ اور صحابہ کرامؓ نے ایک باعزت اور مومنانہ زندگی کو کبھی بھی دنیاوی زندگی پر ترجیح نہیں دی۔ اور اقبالؔ افغانیوں سے انگریزوں کے مقابلہ میں ایسی ہی زندگی گذارنے کی تلقین کرتے ہیں

دوسرا بند

پہلا شعر:۔ اس بند کے شروع سے آخر تک اقبالؔ تمام مسلمانوں سے مخاطب ہیں اور انہیں طرح طرح سے اسلامی تعلیمات، قرآنی احکام اور ہدایات کی طرف مختلف طریقوں سے دھیان منبدول کراتے ہیں۔

اس بند کے پہلے شعر میں اقبالؔ نے یہ بتایا ہے کہ قوموں میں آپسی رقابت ایک

"حقیقت ازلی" ہے۔ چونکہ یہ انسان کی فطری کمزوریوں میں شامل ہے۔ "حقیقت ازلی" سے اقبال کی مراد، حضرت آدم علیہ السلام کے دو لڑکے ہابیل اور قابیل کی آپسی رقابت اور اس کے نتیجہ میں قابیل کے ہاتھوں ہابیل کا قتل کیا جانا، کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ دنیا کے سب سے پہلے انسانوں میں جب رقابت کی یہ فطرت رکھی گئی۔ تو اس کا تا ابد قائم رہنا بھی ایک فطری امر ہے۔

اس شعر کے دوسرے مصرعہ میں یہ کہا گیا ہے کہ خدا کے نزدیک کوئی بھی قوم خواہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو، عزیز نہیں جب تک کہ وہ قوم اس کے احکامات اور ہدایات کی فرمانبرداری نہ کرے اور اس کے بتائے ہوئے راستوں پر نہ چلے، اس سے اقبال کی مراد یہ ہے کہ انسان اگرچہ قرآن کی رو سے فطری طور پر کمزور پیدا کیا گیا ہے پھر بھی اُسے اپنی کمزوری پر قابو پانے کے لئے صرف ہدایات ہی نہیں دی گئیں بلکہ قابو پانے کی صلاحیت بھی پیدا کی گئی ہے۔ چنانچہ انہی صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر آپسی رقابت پر قابو پایا جا سکتا ہے۔

دوسرا شعر:۔ اس شعر میں اقبال نے "خودی" کی فتوحات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اس مضمون کے شروع میں خودی پر، اقبال کے نقطۂ نگاہ سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ اور اسی روشنی میں شعر کو سمجھا جائے۔ خودی کے مضمرات میں جہاں بہت کچھ قرآن کی رو سے پوشیدہ ہیں وہاں اس کا ایک اہم عنصر تزکیہ نفس بھی ہے۔

اس شعر کے پہلے مصرعہ میں اسی تزکیہ نفس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور خودی میں ڈوبنے سے یہی مراد ہے۔ اس مصرعہ میں اقبال یہ بھی بتانا چاہتے ہیں کہ اگر انسان اپنی خودی کو اس طریقہ سے اگر مستحکم کرلے تو وہ زمانہ کی ہر گردش کا مقابلہ کر کے کامیابی حاصل کر سکتا ہے۔ اور کبھی نا اُمید نہیں ہو سکتا۔ مطلب یہ کہ زندگی کی ساری دشواریاں اور مصائب کا مقابلہ کرنے کے خودی کو مستحکم بنانا ضروری ہے یعنی اسے اللہ کے بتائے ہوئے راستہ پر لے چلنا ہے۔ دوسرے مصرعہ میں کہا گیا ہے کہ خودی میں ڈوب کر یعنی اپنے نفس کو خدا کے بتائے ہوئے راستوں پر لے چلنے میں دشواریاں بہت پیش آئیں گی اور مصائب کا سامنا کرنا پڑے گا مگر یہ دشواریاں اور مصائب اس انسان کو جو خودی میں ڈوب کر یعنی

اپنے نفس کو خدا کے بنائے ہوئے راستوں پر لے چلنے میں دشواریاں بہت پیش آئینگی اور مصائب کا سامنا کرنا پڑے گا مگر یہ دشواریاں اور مصائب اس انسان کو جو خودی میں ڈوب چکا ہو صحیح اور مثبت راہ پر چلنے کی تلقین کرتی ہیں جن سے وہ فتح و کامرانی سے سرفراز ہوتا ہے اور اس طرح یہ دشواریاں اور مصائب جو بظاہر تو زخم کی طرح تکلیف دہ معلوم ہوتی ہیں۔ مگر یہ در پردہ اس زخم کو اچھا کرنے اور اُسے روبہ صحت کرنے کی علامتیں ہیں۔

تیسرا شعر:۔ اس شعر میں اقبال نے خدائے تعالیٰ پر مکمل ایمان و یقین رکھنے کی بات کہی ہے۔ قرآن میں شرک ہی ایک ایسا گناہ ہے جسے خدا کبھی معاف نہ کرے گا اسلئے ان کی ذات اور صفات میں کسی دوسرے کو شریک کرنا ہی ایمان کا تضاد ہے۔ اقبال اس شعر میں مسلمانوں کو ایمان کے اس سب سے اہم ستون پر اپنی زندگی کی عمارت کھڑی کرنے کی تلقین کرتے ہیں کیونکہ اس ستون پر قائم عمارت میں کبھی تزلزل نہیں آسکتا۔ مطلب یہ کہ اگر مسلمان خدائے وحدہٗ لاشریک پر مکمل ایمان و یقین رکھ کر زندگی کی شاہراہوں پر چلے تو وہ زمانہ میں سربلندی اور سرفرازی حاصل کرے گا۔ اور اس ڈگر سے ہٹنے پر اُسے ہمیشہ ذلت و خواری نصیب ہوگی۔

قرآن گواہ ہے کہ جن قوموں نے خدا کی ذات و صفات میں دوسروں کو شریک کیا (یعنی کسی دوسرے کو بھی حاجت روا سمجھا) تو وہ قوم گمراہی میں مبتلا ہو کر ذلیل و خوار ہوگئی۔

تیسرا بند

پہلا شعر:۔ اس شعر میں "قضا و قدر اور دعا" کا ذکر آیا ہے جن پر مضمون کے تیسرے بند میں قرآن کی رو سے کافی روشنی ڈالی گئی ہے۔ اقبال کا کہنا یہ ہے کہ ہر انسان کی قسمت یعنی ان کی قضا و قدر تو خدا کے ہاتھ ہے جس میں کسی بندہ کا چارہ نہیں اور نہ یہ دعاؤں سے بدلا جا سکتا ہے۔ اقبال نے اس شعر میں دعا کی اہمیت پر زور دیا ہے جس کی تاکید قرآن میں کئی بار کی گئی ہے۔

اقبال کہتے ہیں کہ انسان مشیت ایزدی کو تو نہیں بدل سکتا مگر اپنی دعاؤں سے

اپنے کو بدل سکتا ہے۔ اس لئے کہ انسان دعا صرف خدا سے مانگتا ہے اور یہ ثبوت ہے اِس کا کہ اُس کا خدا پر پورا ایمان و یقین ہے اور اس طرح دعاؤں کے ذریعہ اس میں خود بخود تبدیلیاں آتی جائیں گی اور تزکیۂ نفس کے مرحلوں سے گذر کر کامیابی حاصل کر سکے گا۔

دوسرا شعر:۔ اس شعر میں اقبالؔ نے پھر خودی کا ذکر کیا ہے اور یہ کہ اکثر بندوں میں بار بار آتا ہے اس مضمون کے شروع میں خودی پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اِسی پس منظر میں خودی پر اس نظم میں جتنے اشعار ہیں سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

اس شعر میں اقبالؔ خودی میں اندرونی انقلاب لانے کی صلاح دیتے ہیں جو صرف اپنی خودی کو ہی مستحکم کرنے پر ممکن ہے۔ یعنی اپنے نفس کو خدا کی راہ میں لگا دینے پر۔ اور جب انسان خود میں انقلاب پیدا کرے گا تو پھر یہ "چارسو"، یعنی دنیا کو بدل کر اس پر چھا سکتا ہے اور دنیا میں عزت و کامرانی کی زندگی گذار سکتا ہے۔

تیسرا شعر:۔ اس شعر میں اقبالؔ نے یہ بتایا ہے کہ خود میں انقلاب لانے سے ایک نتیجہ یہ بھی ظاہر ہوگا کہ یہ دنیا گرچہ ویسی ہی رہے گی جیسے قبل تھی مگر خدا کا اس انسان سے طرزِ عمل بدل جائے گا کیونکہ خدا اُسی کی طرف نظر کرتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرے۔ اس شعر کے پہلے مصرعہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ جس طرح مے خانہ میں شراب کا دور کا فنا چلتا ہے اور "ہاو ہو" کی سرمستی ہر وقت قائم رہتی ہے اسی طرح یہ دنیا ہمیشہ جس طرح چلتی آئی ہے چلتی رہے گی۔ مگر دوسرے مصرعہ میں اقبالؔ نے یہ تلقین کی ہے کہ خودی کو مستحکم کر کے اپنے میں انقلاب لانے پر جو صرف خدا کی بندگی سے ممکن ہے خود خدا کا طرزِ عمل اس کے لئے بدل جاتا ہے۔ اور اگر یہ دنیا مے خانہ ہے تو خدا اس کا ساقی، اور ساقی اپنا طریقہ اس بندے کے لئے بدل دیتا ہے یعنی اس کی طرف اس کی نظرِ کرم ہونے لگتی ہے۔ "رسم کدو" کے بدلنے سے مطلب ہے کہ ساقی یعنی خدا اس کو صحیح راہ نمائی کرنے لگے گا۔ "کدو" مے خانہ کی ایک اصلاح ہے جس میں شراب ڈھالی اور پی جاتی ہے۔

چوتھا شعر:۔ اس شعر میں اقبال نے یہ کہا ہے کہ انسان اپنی لاتعداد آرزوؤں کی تکمیل کیلئے خدا سے دعا مانگتا ہے جس میں دنیاوی جاہ و جلال عزت و حشمت بھی شامل ہے

مگر دوسرے مصرعہ میں وہ یہ کہتے ہیں کہ میری دعا تو یہ ہے کہ تیری آرزوئیں بدل جائیں یعنی تیری آرزو صرف یہ ہو جائے کہ خدا تجھے اپنے رنگ میں رنگ دے کیونکہ قرآن کی رو سے اس سے بہتر رنگ کوئی نہیں کیونکہ جب انسان کی یہی آرزو رہ جائے گی تو پھر وہ خدا کے بتائے ہوئے راستوں پر چل کر وہ دونوں دنیا کی سرفرازی حاصل کرے گا۔

چوتھا بند

پہلا شعر:۔ اس شعر میں اقبالؔ نے دنیا کی ہر چیز (جس میں انسان بھی شامل ہے) کی بے ثباتی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ جہاں ہر چیز کی حیثیت محض ایک مسافر کی ہے مثال کے طور پر انہوں نے چرخ آسمان اور چاند تاروں کی مثال دی ہے جو ہر وقت سرگرم سفر رہتے ہیں۔ اُسی طرح انسان اس دنیا میں مسافر کی حیثیت سے اپنا وقت گذار کر اپنی منزل یعنی موت سے ہمکنار ہو جاتا ہے۔

دوسرا شعر:۔ اس شعر میں وہی باتیں کہی گئی ہیں اور مثال کے طور پر ایک غیر معمولی انسان جس نے تاریخ میں ہمیشہ کے لئے جگہ پائی ہے وہ موت سے نہ بچ سکا۔ پہلے مصرعہ میں یونان کے بادشاہ سکندر اعظم کی فتوحات کی یاد دلائی گئی ہے جس نے آندھی طوفان اور بجلی کی طرح یونان سے پنجاب تک چند برسوں میں فتح حاصل کر کے اپنی سلطنت کا حصہ بنا لیا تھا مگر پھر بھی اُسے رضائے الٰہی کے سامنے سر ٹیک دینا پڑا۔ دوسرے مصرعہ میں اس کی اچانک موت کی طرف اشارہ کر کے اقبالؔ یہ ذہن نشین کراتے ہیں کہ یہ حال ہر انسان کا ہے خواہ وہ سکندر جیسا فاتح ہو یا ایک بھکاری۔

تیسرا شعر:۔ اس شعر میں اقبالؔ کہنا وہی چاہتے ہیں جو انہوں نے پہلے دو اشعار میں کہا ہے اور اب نادر شاہ کی مثال دی ہے۔ جس کے دلی کے لوٹنے اور دلی میں قتل و غارت گری پانے کی خونچکاں داستان تاریخ کا اہم داستان بن چکا ہے۔ اقبالؔ نے سکندر اور نادر کی مثالیں دے کر یہ باور کرایا ہے کہ بادشاہ سے لے کر فقیر تک سبھی ایک قانون قدرت کے گرد چکر لگاتے ہیں اور خدا ان میں کوئی تفریق نہیں کرتا۔

چوتھا شعر:۔ اس بند کے پہلے تین اشعار میں ہر طرح کی مثالیں دے کر اقبالؔ نے

انسانوں اور خصوصاً مسلمانوں کو اپنی مختصر سی زندگی کو خدا کے بتائے ہوئے راستوں پر چلا کر نجات کا موجب بننے کی تلقین کی ہے۔ اس چوتھے شعر کے پہلے مصرعہ میں افغانیوں کی حریت پسندی کو خراج تحسین پیش کیا گیا ہے جو باوجود انگریزوں کی مسلسل جارحانہ کارروائی کے بعد اب بھی انفرادیت کو قائم رکھے ہوئے ہیں۔ اس شعر کے دوسرے مصرعہ میں اقبالؔ ان ساری باتوں کے پس منظر میں یہ ذہن نشین کراتے ہیں کہ اس دنیا کا مالک خدا ہے اور اس لئے حکم بھی اسی کا چلتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو سکندر اور نادر جیسے لوگ شاید تا ابد زندہ رہتے۔

پانچواں شعر:۔ اس شعر میں اقبال نے یہ بتانا چاہا ہے کہ انسان اپنے خود غرض خواہشوں کی تکمیل کے لئے خدائی احکام سے روگردانی تک کرنے لگتا ہے اور ضمیر فروش کی وجہ کردہ خواہشات نفس کی پیروی میں شیر سے لومڑی (روباہ) تک بن جاتا ہے۔

چھٹا شعر:۔ اس شعر میں اقبالؔ پھر مسلمانوں کو خودی کو مستحکم کرنے کی تلقین کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ جب انسان اپنی خواہشات کو رضائے الٰہی کا تابع بنا دیتا ہے تو اس کا درجہ بادشاہوں سے بھی بڑھ جاتا ہے۔

ساتواں شعر:۔ اس شعر میں اقبالؔ یہ کہتے ہیں کہ کوئی بھی قوم اس وقت سرخ رو ہوتی ہے جب وہ خدا کے بتائے ہوئے راستہ پر چلتی ہے۔ اس راستہ پر چلنے والے کو اس شعر کے پہلے مصرعہ میں 'فردِ درویش' کہا ہے یعنی اُسے دنیاوی لالچ نہیں اور ایسا انسان کبھی بھی اپنے ضمیر کو دنیاوی جاہ وجلال اور عزت و دولت کے لئے کسی کے سامنے خواہ وہ بادشاہ ہی کیوں نہ ہو اپنا سر نہیں جھکاتا بلکہ ہمیشہ اپنا سر رضائے الٰہی کی طلب میں خم کئے رہتا ہے۔

پانچواں بند

پہلا شعر:۔ اقبالؔ نے اس شعر میں انگریزوں کی رائج کردہ تعلیم کے مُضر اثرات کی طرف دھیان مبذول کرایا ہے جو بظاہر تو بہت اُمید افزا معلوم ہوتی ہے مگر ایسی تعلیم

سے روحانی قدریں ختم ہوتی جارہی ہیں اور انسان نئے رغم اور نئی نئی مصیبتوں میں گرفتار ہوجاتا ہے۔

دوسرا شعر:۔ اس شعر میں بھی اسی انگریزی تعلیم کے انتہائی مضر اثرات کا اظہار کیا گیا ہے۔ اقبالؔ ایسی تعلیم کو "احرار" یعنی حریت پسندوں کے لئے زہر قرار دیتے ہیں یعنی جو تعلیم اس کی خودی اور اس کے ضمیر کو مٹا ڈالتی ہے۔ دوسرے مصرعہ میں کہا گیا ہے کہ ایسی تعلیم سے کیا حاصل جو صرف دو مٹھی جَو حاصل کرنے کی خاطر انسان کی روحانی قدریں ختم کر دیتی ہیں۔ مطلب یہ کہ یہ تعلیم انسان میں مادیت پیدا کرتی ہے اور ظاہر ہے کہ مادیت، روحانیت کی ضد ہے۔

تیسرا شعر:۔ اس شعر میں اقبالؔ نے یہ باور کرانا چاہا ہے کہ ادب یا فلسفہ گرچہ علوم میں شامل ہیں مگر بذاتِ خود یہ زندگی کو مثبت اور صحیح راستوں پر لے چلنے کے ضامن نہیں اسلئے دوسرے مصرعہ میں وہ یہ کہتے ہیں کہ کوئی بھی ہُنر حاصل کرنے کے لئے تگ و دو یعنی جدوجہد ضروری ہے۔ اس شعر میں اقبال نے مسلمانوں کو یہ بتایا ہے کہ علم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے میں جہاد کا بھی جذبہ پیدا کرنا چاہیئے یعنی اللہ کے بتائے ہوئے صحیح راستوں پر چلنے کی کوشش کرتے رہنا چاہیئے۔

چوتھا شعر:۔ اس شعر میں ایک ہنرمند انسان جس نے اپنی تگ و دو یعنی جدوجہد سے کمال حاصل کر لیا ہے وہ فطرت پر بھی غالب آجاتا ہے۔ جس کی مثال ہم آئے دن سائنس کی دنیا میں دیکھتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ خدا کے بتائے ہوئے قانون پر غالب آجاتا ہے بلکہ خدا کی دی ہوئی عقل کو صحیح طور پر بروئے کار لاکر وہ ناممکن کو ممکن بنا سکتا ہے۔

پانچواں شعر:۔ اس شعر میں بھی اس بات کو اور بھی زیادہ موثر پیرایہ میں کہا گیا ہے کہ ایک کامل ہنرمند جب اپنے فن میں مرتبۂ کمال کو پہنچ جاتا ہے تو وہ مہر کہ بدن سے شبنم کی طرح ضو تک پیدا کر سکتا ہے۔

چھٹا بند

پہلا شعر:۔ اس شعر میں اقبال نے علم کے ذریعہ ایجادات کرنے والوں کے مرتبہ کا ذکر کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر پوری ہُنرمندی کے ساتھ کوئی شخص کوئی ایجاد کرتا ہے اور اس سے دنیا فائدہ اٹھاتی ہے تو ایسے شخص کی قدر و منزلت بڑھ جاتی ہے اور اس کا نام تاریخ میں رہ جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ، جیسا اسکے پہلے بند میں کہا گیا ہے۔ ہُنر حاصل کرنے میں کافی جدوجہد کی ضرورت ہے۔ تب ہی ایسے ایجادات ممکن ہو سکتے ھیں۔

دوسرا شعر:۔ اس شعر میں اقبالؔ نے خودی کی صفات کا ذکر کیا ہے کیونکہ ان کے نزدیک انسان کی "خودی" میں اسے دونوں دنیا میں سرفراز کرتی ہے۔ اس شعر میں اقبالؔ نے مسلمانوں کو یہ تنبیہہ کی ہے کہ تو دوسروں کی تقلید نہ کر بلکہ خود اپنی خودی کے زور پر دوسروں پر چھا جا یعنی خود میں ایسی ذہنی قوت پیدا کر کہ تو خود ایسی ایجادات کر سکے۔

تیسرا شعر:۔ اس شعر میں "تجدید" کا لفظ لایا گیا ہے جس کے معنی ہیں کسی چیز کی بگڑی ہوئی شکل کو پھر سے صحیح شکل میں لانا۔ شعر کا مطلب یہ کہ اقبالؔ مسلمانوں پر طنز کرتے ہیں کہ یہ قوم "بزم شبانہ" یعنی عیش و عشرت اور رنگین محفلوں میں ایسا کھو گئی ہے اور یہ قرآنی تعلیمات سے بالکل بیگانہ ہو گئی ہے اور ان تعلیمات کی مسخ شدہ صورت کو ہی صحیح سمجھنے لگی ہے اس لئے ضرورت اس کی ہے کہ اس قوم کے سامنے اسلام کی صحیح صورت پیش کی جائے تاکہ یہ گمراہی سے بچ سکے۔

چوتھا شعر:۔ اس شعر میں اقبالؔ نے ان لوگوں کی مذمت کی ہے جنہوں نے مسلمانوں کے سامنے "مجدد" بن کر اسلام کا غلط تصور پیش کیا اور صرف اس لئے کہ اپنے مجدد مغربی سامراجیوں کے زیر اثر ایسا کہنے پر مجبور کئے جاتے تھے۔ مطلب یہ کہ تقلید تو مغربی طرزِ فکر اور طرزِ عمل کی کی جا رہی ہے مگر اس پر اسلام کی چھاپ لگا دی جاتی ہے۔ اقبالؔ نے ایسے لوگوں سے ہوشیار رہنے کی تلقین کی ہے۔ جن میں جب یہ نظم لکھی گئی تھی تُرکی

کے مصطفٰے کمال پاشا تُرکی کے ایسے ہی مجدّد بن کر حکمراں بن بیٹھے تھے۔

ساتواں بند

پہلا شعر:۔ اس شعر میں اقبالؔ، افغانیوں کی دینی اور آزادی کے جذبے کو للکارتے ہیں اور تاکہ اپنی خودی کو اسلام کے طریقوں پر ڈھال کر افغانستان میں بھی انقلاب لاسکیں۔

پہلے مصرعہ میں اقبالؔ نے روم، شام اور ہندوستان میں لائے گئے انقلابات کا حوالہ دیکر ہی دوسرے مصرعے میں افغانیوں کو ایسا ہی انقلاب لانے کا مشورہ دیتے ہیں۔ جس وقت یہ نظم لکھی گئی اس وقت ہندوستان میں انگریزوں کے خلاف آزادی کی جنگ نے بہت زور پکڑ رکھا تھا اور انگریز جھکے جارہے تھے۔ اس لئے افغانستان میں افغانیوں کو ایسی ہی آزادی حاصل کرنے اور انقلاب لانے کی تلقین کی ہے۔

دوسرا شعر:۔ اس شعر میں اقبالؔ نے افغانیوں کو بتایا ہے کہ اسلامی زندگی گذارنے کے سبھی جواز موجود ہیں اور تجھے خدا نے ایسی زندگی حاصل کرنے کے سبھی طریقۂ کار کو قرآن میں واضح طور پر بیان فرمایا ہے مگر سچ یہ ہے کہ پہلے اپنی خودی کو خدا کے بتلائے ہوئے رنگ میں ڈھال لے۔ اپنی صلاحیتوں کو اقبال نے اس شعر میں موسم، پانی، مٹی اور کھیت استیعارے کے طور پر استعمال کیا ہے۔

تیسرا شعر:۔ اس شعر میں اقبالؔ نے افغانیوں کی جذبۂ حُریّت اور ان کی صلاحیتوں کو للکارا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ جس دریا کی لہر اونچی نہ ہو وہ اور جس طوفان کی ہوائیں تیز نہ ہوں وہ تالاب اور ٹھنڈی ہوا کی طرح ساکت ہونگی۔ اسلئے وہ افغانیوں میں اس شعر میں عمل کے رجحانات پیدا کرتے ہیں اور ایک بار پھر اُسے اپنی خودی کو مستحکم کرنے کی تاکید کرتے ہیں کیونکہ تب ہی ان کے عزائم بلند مقاصد کی طرف بڑھ سکتے ہیں۔

چوتھا شعر:۔ اس شعر میں اقبالؔ نے اپنی خودی کے ذریعہ اپنی دنیا آپ پیدا کرنے کی باتیں کہی ہیں کیوں کہ ایسا شخص بادشاہوں کو بھی اپنی خاطر میں نہیں لاتا۔ اس کی

مثال رسول اللہ صلعم اور صحابہ کرام رضؓ کی زندگیوں میں تمہیں ملتی ہے ۔ مگر یہ صرف اپنی خودی کو راہِ راست پر لانے پر منحصر ہے ۔

پانچواں شعر :۔ اس شعر میں اقبالؔ نے یہ بتایا ہے کہ افغانی زیادہ تر کم پڑھے لکھے ہیں اس لئے انگریزوں نے وہاں کچھ ایسے مسلمانوں کو کھڑا کر دیا ہے جو افغانیوں کو غلامی پر رضامند کرانا چاہتے ہیں ۔ اس شعر میں اقبال نے ایسے ہی مسلمانوں کی مذمت کی ہے ان سے ہوشیار رہنے کی تاکید کی ہے مگر یہاں بھی انکی لائی ہوئی گمراہیوں سے وہی شخص بچ سکتا ہے جس نے اپنی خودی پہچان لی ہے یعنی جسکی خودی خدا نما ہو ۔

آٹھواں بند

پہلا شعر :۔ اس بند میں اقبالؔ نے باز کی گوناگوں خصوصیتوں کا ذکر کیا ہے پہلے شعر میں زاغ و شبرک و چمگادر کے حوالوں سے باز کو حقیر بتایا گیا ہے جس سے اقبالؔ کا مطلب یہ ہے کہ یہ دونوں چونکہ 'باز' کی خوبیوں سے واقف نہیں اس لئے زاغ ایسے بے ہنر اور شپرک اُسے کور چشم اور بے ہنر کہتی ہے ۔

دوسرا شعر :۔ اس شعر میں اقبالؔ نے ایک باز کی اندرونی صفات کی باتیں کہی ہیں اور یہ بتایا ہے کہ زاغ اور شپرک کی حالت وہی ہے جو اچھوت کی ہوتی ہے ۔ ان سے کوئی منھ نہیں لگاتا ۔ یہ دونوں اس " فضائے نیلگوں " سے ناواقف ہیں جن میں باز پرواز کرتا ہے اور ان دونوں کی نہ تو وہاں تک آنکھیں جا سکتی ہیں اور نہ ہی ان میں پرواز کی سکت ہو ۔

تیسرا شعر :۔ ان تقابلی جائزہ سے اقبال کی مراد یہ ہے کہ باز میں ایک مومن کی صفات پائی جاتی ہیں یعنی وہ مومن کی طرح اپنی دنیا میں اتنی اونچی پرواز کرتا ہے جہاں اُسے عزت ملتی ہے اور اس دنیا میں وہ اپنی نظر ایسی رکھتا ہے جو دوسرے اس سے مغلوب رہتے ہیں ۔

نواں بند

پہلا شعر :۔ اس شعر میں اقبالؔ نے ایک مومن کی عشق الٰہی میں گرویدگی بتائی ہے

پہلے مصرعہ میں ایک مومن کے عشق میں پاکیزگی پائی گئی ہے دوسرے مصرعہ میں باز یعنی شہباز کی پرواز یعنی اس کی اعلیٰ ہمتی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو کبھی بھی مگس کی چال نہیں چل سکتا۔

دوسرا شعر :۔ اس شعر میں اقبالؔ نے مسلمانوں کو اپنے جدوجہد سے اپنی قسمت آپ پیدا کرنے کی تلقین کی ہے۔ جہاں وہ اپنی زندگی آزادانہ طور سے گذار سکے۔

تیسرا شعر :۔ اس شعر میں اقبالؔ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ایک مومن ہر وقت جہاد فی سبیل اللہ میں لگا رہتا ہے اور وہ اس کا منتظر نہیں رہتا کہ اس کے سفر میں کوئی اس کی رہنمائی کرے یا وہ قافلہ کے کوچ کرنے کا انتظار کرے۔ مطلب یہ کہ ایک مومن کسی کی تقلید نہیں کرتا بلکہ خود دنیا کے سفر میں راہ نما بن جاتا ہے۔

چوتھا شعر :۔ اس شعر میں اقبالؔ نے جدید مغربی تعلیم کی مذمت کی ہے جس نے مسلمان کی روحانی قوتوں کو ایکدم ختم کر دی ہے۔ پہلے مصرعہ میں ان کا مطلب یہ ہے کہ موجودہ مسلمان اس تعلیم کی وجہ کر دیکھنے میں زندہ معلوم ہوتا ہے یعنی اس سے بہت سی اُمیدیں وابستہ کی جا سکتی ہیں مگر اقبالؔ دوسرے مصرعہ میں اسے مردہ قرار دیتے ہیں کیونکہ اسکے جسم میں فرنگیوں کا نفس ہے یعنی وہ اسلامی تعلیمات سے بے گانہ ہے اس لئے کہ جو تعلیم اس نے حاصل کی ہے وہ فرنگی (یورپی) ہے۔ جہاں روحانیت کی کوئی گذر نہیں۔

پانچواں شعر :۔ اس شعر میں اقبالؔ نے مسلمانوں کو یہ مشورہ دیا ہے کہ اگر تو حقیقی معنیٰ میں مومن بننا چاہتا ہے تو 'دل' کی پرورش کر یعنی اپنے 'دل' کو برائیوں سے پاک کر کے اللہ کے بتائے ہوئے راستہ پر لگا۔ دوسرے مصرعہ میں وہ یہ کہتے ہیں کہ مومنانہ زندگی کے لئے اصل چیز دنیا میں ہر بات کو صحیح نگاہ سے دیکھنا ہے یعنی ہر کام میں خیال رکھے کہ وہ خدا کے بتائے ہوئے صحیح راستہ پر چل رہا ہے۔

دسواں بند

پہلا شعر :۔ اس شعر میں اقبالؔ نے مسلمانوں کو پاکیزہ زندگی گذارنے کی تلقین کی ہے اور کہا ہے کہ ایسا ہی شخص اپنے قبیلہ یعنی اپنی قوم میں رہنمائی کا کام کر سکتا ہے اور

ایسے ہی لوگوں کو اس کے قوم کے عوام عزت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

دوسرا شعر:۔ اس شعر میں اقبالؔ نے جنگ و صلح کی قرآنی ہدایات کی یاد دلائی ہے۔ پہلے مصرعہ میں ان کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان کسی جنگ پر خواہ مخواہ آمادہ نہیں ہوتا مگر جب حق و باطل کا سوال آجائے تو حق کی خاطر جنگ کرنے سے گریز نہیں کرتا۔ دوسرے مصرعہ میں یہ کہا گیا ہے کہ اگر دشمن صلح پر اُتر جائے تو مومن ہر حال میں اس کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہے۔ مطلب یہ کہ مومن ہمیشہ حق کی خاطر لڑتا ہے اور اس کے لئے صلح و آشتی بھی کرنے پر تیار رہتا ہے۔

تیسرا شعر:۔ اس شعر میں بھی ایک مومن کے، حق کی خاطر ہر وقت پر سر پیکار رہنے کی بات کہی گئی ہے۔ اقبالؔ کہتے ہیں کہ جس طرح ایک چنگاری پورے (نیستان) جنگل کو پھونک ڈالتی ہے۔ اسی طرح ایک مومن کا سوز، یعنی عشق الٰہی میں اس کی گرویدگی دنیا میں حق کو قائم رکھنے کے لئے ہمیشہ کفر کا مقابلہ کرتا رہتا ہے۔

چوتھا شعر:۔ اس شعر میں اقبالؔ نے ایک مومن کی خوبیوں کی طرف اشارہ کیا ہے جو صرف اس کے فقر میں پوشیدہ ہے۔ اس کی مثال اُنہوں نے حیدری اور کرّاری سے دی ہے۔ جو دونوں حضرت علی رضی اللہ عنہٗ کے القاب ہیں اور جنہوں نے فقر کی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مصیبت میں وہ کارنامے انجام دئے ہیں جو آج تاریخ اسلام کا درخشاں باب ہیں۔ اس مضمون کے شروع میں فقر پر ایک مضمون ہے جس کے ساتھ اس شعر کو پڑھا جائے۔

پانچواں شعر:۔ اس شعر میں اقبالؔ نے یہ بتایا ہے کہ ایک مومن کبھی بھی دنیاوی جاہ و جلال اور عزت و دولت کو کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ پہلے مصرعہ میں وہ یہ کہتے ہیں کہ ایک مومن اگر بظاہر مفلوک الحال نظر آتا ہے تو اسے "نگاہ کم" یعنی حقیر نظر سے نہ دیکھنا چاہیئے کیونکہ وہ خدا کے پسندیدہ لوگوں میں ہے اس لئے کہ اس نے اس کے احکام کی تعمیل کی ہے۔ دوسرے مصرعہ میں وہ کہتے ہیں جو لوگ ظاہری شان و شوکت میں بہت زیادہ نظر آتے ہیں وہ "بے کلاہ" یعنی خدا کے ناپسندیدہ لوگوں میں ہیں کیونکہ اُنہوں

نے خدا کے احکام کی نافرمانی کر کے یہ سب کچھ حاصل کیا ہے۔

گیارھواں بند

پہلا شعر:۔ اس شعر میں اقبال نے مسلمانوں کو پھر سے جہاد فی سبیل اللہ میں لگ کر اپنا مستقبل روشن کرنے کی تلقین کی ہے۔ پہلے مصرعہ میں وہ مسلمانوں کا ماضی یاد دلاتے ہیں جس دور میں خدا کے احکام پر چلنے کی وجہ سے اُسے سربلندی حاصل تھی۔ "شبِ دوش" سے مراد ماضی ہے۔ دوسرے مصرعہ میں وہ مسلمانوں کی موجود پستی و زبوں حالی کی طرف دھیان دلاتے ہیں اور "چراغِ خاموش" سے اس حالت کی طرف اشارہ ہے مگر وہ مسلمانوں کو یہ تاکید کرتے ہیں کہ اگر تو پھر خدا کے بتائے ہوئے راستوں پر چلے تو اس کا مستقبل روشن ہو سکتا ہے۔

دوسرا شعر:۔ اس شعر میں یہ بات کہی گئی ہے کہ جو شخص اپنی ناکامیوں کے لیے زمانہ کی شکایت کرتا ہے وہ بے حوصلہ یعنی پست ہمت ہے۔ دوسرے مصرعہ میں اقبال کہتے ہیں کہ "بندۂ حُر" یعنی مومن کا عزم اور حوصلہ تو ہر ناکامی کے بعد اور بلند ہوتا ہے اور وہ ناکامیوں سے ہمت نہیں ہارتا ہے۔ "نشترِ تقدیر" سے مطلب ناکامی اور "نوش" سے مراد شہد یا مرہم ہے۔

تیسرا شعر:۔ اس شعر میں اقبال یہ کہتے ہیں کہ جواں "نالۂ مرغانِ سحر" سے مدہوش ہو جائے یعنی اسے دنیا کی رنگ رلیاں زیادہ اچھی لگیں تو ایسا شخص جہاد کے کسی بھی راستہ پر چلنے کے لائق نہیں۔

چوتھا شعر:۔ اس شعر میں اقبال مسلمانوں کو یہ کہتے ہیں کہ تو بچوں کی طرح کسی بھی بات پر من جاتا ہے اور یورپ کے 'شکر پارہ فروش' یعنی میٹھی گولیاں کھلانے والے عیار کے پھندے میں تو آجاتا ہے اس لیے اقبال نے یورپ کی چالوں سے ہوشیار رہنے کی تنبیہہ کی ہے۔

بارھواں بند

پہلا شعر:۔ اس شعر کی تفصیلی شرح مضمون میں دی گئی ہے۔ اس شعر میں اقبال مصطفےٰ

کمال بادشاہ کو یہ بتاتے ہیں کہ تو نے ترکی میں عربی رسم الخط کے بدلے لاطینی رسم الخط اور اسلامی نظام کو ہٹا کر لادینی یعنی مغربی طرز حکومت قائم کردی ہے۔ حالانکہ خدا کا یہ قول ہے کہ اگر مومن خدا کے راستے پر چلے گا تو وہ ہمیشہ دوسروں پر غالب رہے گا۔

دوسرا شعر:۔ اس شعر کے پہلے مصرعہ میں صیاد معانی سے مراد وہ شخص ہے جو روحانیت کی تلاش میں لگا ہو۔ اقبالؔ کہتے ہیں کہ ایسے شخص کو یورپ کی طرز تعلیم اور ان کے علوم وفنون سے مکمل نا اُمیدی رہتی ہے۔ کیوں کہ ان میں روحانیت مفقود ہے۔ دوسرے مصرعہ میں کہتے ہیں کہ یورپ کی فضا تو بظاہر بہت دلکش معلوم ہوتی ہے مگر جس طرح کوئی آہو بغیر نافہ کے ہو تو اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں رہتی کیونکہ آہو کی قدر و قیمت صرف نافہ پر ہے۔ مطلب یہ کہ یورپی مادہ پرستی میں روحانیت کی تلاش بے سود ہے۔

تیسرا شعر:۔ اس شعر میں اقبالؔ نے خودی کو "لالۂ پیکانی" سے تشبیہہ دی ہے لالۂ جب غنچہ کی صورت میں رہتا ہے تو اس کی شکل پیکان کی رہتی ہے یعنی نوک جیسی۔ اقبالؔ کہتے ہیں کہ جس طرح لالہ کے لئے آب جو ضروری ہے اُسی طرح خودی کی تقویم یعنی اس کی تربیت اور استحکام کے لئے "اشک سحر گاہی" بھی ضروری ہے۔ اشک سحر گاہی سے مراد یہاں اپنے نفس پر قابو پا کر خودی کو مستحکم کرنے سے ہے۔

چوتھا شعر:۔ اس شعر میں اقبالؔ نے اس دنیا میں کافر اور مومن کی الگ الگ زندگیوں کا موازنہ کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ کافر اس دنیا میں رنگ و بو کا شکار ہو جاتا ہے مگر ایک مومن خود دنیا پر چھا جاتا ہے بشرطیکہ وہ مومن ہو۔

پانچواں شعر:۔ اس شعر میں اقبالؔ نے اُن مسلمانوں کی مذمت کی ہے جو دولت کو ہی زندگی کا ماحصل سمجھتے ہیں اور جن کے لئے دنیاوی زندگی سب کچھ ہے اقبالؔ امام یا واعظ سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ امیروں کو مسجد سے نکال دو اس لئے کہ انہوں نے غریبوں کا استحصال کر کے دولت اکٹھا کی ہے اور رسمی طور پر دکھلانے کے لئے مسجد میں حاضر ہوا کرتے ہیں۔

تیرھواں بند

پہلا شعر:- اس شعر میں اقبال مسلمانوں کو یہ کہتے ہیں کہ مجھے تو ساری دنیا میں ہر طرف افراتفری نظر آتی ہے مگر نہیں معلوم تو اس دنیا کو کس نظروں سے دیکھتا ہے۔

دوسرا شعر:- اس شعر میں اقبال جوانوں کو یہ کہتے ہیں کہ دنیا میں ہر طرف انقلاب برپا ہے۔ تمہارا جو ہر زیروزبر ہوتا نظر آتا ہے یعنی تم میں انقلاب پیدا کرنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔

تیسرا شعر:- اس شعر میں اقبال "پیر حرم" سے مخاطب ہیں جس سے ان کی مراد وہ سارے لوگ ہیں جو دین اسلام کے مبلغ بنے بیٹھے ہیں مگر ان کا سارا درس مسلمانوں کے مردہ روحوں میں انقلاب نہیں لا سکتا۔ اس لئے کہ وہ اُن میں بجائے جہاد کا جذبہ پیدا کرنے کے صرف دعاؤں تک ہی محدود رہتے ہیں۔

چوتھا شعر:- اس شعر کے پہلے مصرعہ میں اقبال خانقاہوں کے متولیوں اور پیروں کی مذمت کرتے ہیں جنہوں نے اسلام کا غلط تصور پیش کر کے مسلمانوں میں جمود اور تعطل پیدا کر دیا ہے۔ دوسرے مصرعہ میں خانقاہوں کو اقبال نے "شعلۂ نیم خوردہ" سے موسوم کیا ہے یعنی اس ادارے میں نہ تو سوز ہے اور نہ سازِ تعلیم کا کام دے سکتا ہے۔ اس لئے خانقاہوں کے ذریعہ خودی کی تلقین ناممکن ہے یعنی تزکیۂ نفس ناممکن ہے جو دوسروں کی اصل روح ہے۔

چودھواں بند

پہلا شعر:- اس شعر کے پہلے مصرعہ میں مسلمانوں کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جب تک ہم جہاد فی سبیل اللہ میں کٹ مرنے کا جذبہ اور شوق نہیں رکھتے تب تک خدا سے تمہارا عشق ایک طرح کی عیاری ہوگی۔ اس مصرعہ میں جرأت رندانہ سے عشق الٰہی میں ایسی ہی گرویدگی کو ان الفاظ میں موسوم کیا گیا ہے اور روباہی سے مراد چالاکی اور مکاری ہے۔

دوسرے مصرعہ میں اس کے برعکس یہ بتایا گیا ہے کہ جو مسلمان عشقِ الٰہی میں جرأت رندانہ کا متحمل ہوتا ہے تو اس کے ہر جہاد میں خدا اس کی مدد کرتا ہے۔ "یداللہی" سے مراد اللہ کا ہاتھ ہے۔

دوسرا شعر:۔ اس شعر کے پہلے مصرعہ میں اقبالؔ نے مسلمانوں کو یہ تلقین کی ہے کہ عشق الٰہی کی خاطر اس کے بتائے ہوئے راستے پر چلنے میں جو بھی سختیاں آئیں اس سے وہ ہراساں نہ ہو بلکہ اُسے وہ "سامانِ سفر" سمجھیں یعنی زندگی انہی سختیوں اور دشواریوں سے گذرنے کا نام ہے

اس شعر کے دوسرے مصرعہ میں اقبالؔ یہ تاسف کرتے ہیں کہ مسلمان تن آساں ہو گئے ہیں اور وہ سختیٔ منزل کی تاب نہیں لا سکتے۔ اس لیے کہ انہوں نے خدائی احکامات سے روگردانی کر کے اپنے ضمیر اور اپنی خودی کو ناکارہ بنا دیا ہے اور اقبالؔ کو افسوس ہے کہ "سختیٔ منزل" کو "سامانِ سفر" سمجھنے والے مسلمان اب ناپید ہیں۔

تیسرا شعر:۔ اس شعر میں اقبالؔ خودی کی تربیت اور اس کے استحکام کے لیے خلوت نشینی کی صلاح دیتے ہیں جو کہسار ہی میں ممکن ہے۔ پہلے مصرعہ میں وہ کہتے ہیں کہ جب میں ایسی صلاح دے رہا ہوں تو صحرا میں یوں ہی بھٹکنے کی باتیں نہیں کر رہا اور اسے وحشت نہ سمجھے

دوسرے مصرعہ میں ان کا اشارہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا قبل دین اسلام کی تبلیغ و تعلیم کے کئی سال غار حرا میں چھپ کر اپنی خودی کی ترتیب و تزئین" کی طرف ہے۔

چوتھا شعر:۔ اس شعر کے پہلے مصرعہ میں اقبالؔ نے دنیاوی اور اُخروی دونوں زندگیوں کا تقابلی جائزہ لیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اگر صرف دنیا مقصود ہے تو اس دنیا میں روایتی طور پر جس طرح لوگ اپنی زندگیاں گزارتے ہیں تم بھی گذارو۔ اگر صرف آخری زندگی مقصود ہے یعنی عقبیٰ کا صرف خیال ہے تو مناجات یعنی دعاؤں میں لگے رہو۔

دوسرے مصرعہ میں یہ کہتے ہیں کہ قرآن کی رو سے تو مسلمانوں کو دنیا و آخرت دونوں میں سرفرازی حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

پندرہواں بند

پہلا شعر:- اس شعر میں اقبالؔ فقر کی باتیں کرتے ہیں۔ پہلے مصرعہ میں وہ کہتے ہیں کہ انسان کا ضمیر اس حقیقت پر شاہد ہے کہ وہ فقر کو اپنالے۔ 'علم فقیری' یعنی فقر کو اپنا، اُوڑھنا بچھونا بنالینا کوئی مشکل کام نہیں۔ اسکی سب سے بڑی مثال تو خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہے اور آپؐ کے ساتھ سینکڑوں ہزاروں صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی مثالیں موجود ہیں۔

دوسرا شعر:- اس شعر کے پہلے مصرعہ میں فقیری کو اپنی زندگی کا ضد بنالینے پر اقبالؔ نے فولاد کی مثال دی ہے یعنی اگر فولاد میں نرمی ہو تو وہ کبھی شمشیر نہیں بن سکتا۔ مطلب یہ کہ مسلمان تن آسانی کو اپنا شیوہ بنالے تو پھر وہ فقیری کا علم نہیں حاصل کر سکتا۔ فقیری سے مراد دنیاوی خواہشات سے وہ خواہ کسی بھی قسم کی ہوں اپنے کو بے نیاز کرلینا ہے۔

دوسرے مصرعہ میں وہ یہی بات کہتے ہیں کہ فولاد میں اگر حریری یعنی نرمی آجائے تو وہ کسی کام کا نہیں رہتا یہی حال ان لوگوں کا ہوتا ہے جو اپنی خودی کو اتباعِ رسولؐ سے مستحکم نہیں کرتے۔

تیسرا شعر:- اس شعر میں اقبالؔ کہتے ہیں کہ فقر کو خوددار ہونا چاہیئے یعنی اُسے رضائے الٰہی کا موجب سمجھا جائے ورنہ وہ اللہ تک نہیں پہنچ سکتا اور نہ اللہ اس کی مدد کر سکتا ہے۔

دوسرے مصرعہ میں اس کے برعکس وہ کہتے ہیں کہ اگر اُس نے اپنے دین کی غیرت کے خاطر فقر کو اپنا لیا ہے تو یہ امیری کی تمہید ہوگی یعنی اُسے دنیا میں سرفرازی اور سربلندی ہوگی جن کی مثالیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہیں۔ جنہوں نے فقر کو اپنا کر اسلام کا پرچم بلند کیا۔

چوتھا شعر:- اس شعر کے پہلے مصرعہ میں اقبالؔ نے مسلمانوں کو یہ بتایا ہے کہ افرنگ یعنی مغربی ملکوں نے اپنی طرزِ زندگی اور طرزِ تعلیم سے مجھے مسحور کر کے تیری خودی

کو فنا کر دیا ہے اس لیے تو اپنے کو مقہور و مجبور پاتا ہے

دوسرے مصرعہ میں وہ یہ کہتے ہیں کہ تیرا رتبہ تو یہ ہے کہ تو دنیا سے بشیری یعنی دوسروں کو خوشخبری سنانے والا نظیری یعنی آخرت سے ڈرانے والا پیدا کیا گیا تھا مگر چونکہ تیری زندگی غلط راستوں پر لگ گئی ہے اس لیے تو ان ذمہ داریوں سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔

سولہواں بند

پہلا شعر :- اس شعر کے پہلے مصرعہ میں اقبال نے مسلمانوں کو یہ بتایا ہے کہ کوئی بھی قوم اس وقت تک زندہ رہتی ہے جب تک وہ اپنے میں اجتماعیت قائم رکھتی ہے اور یہ اجتماعیت کی شکیل اسی وقت باقی رہتی ہے جب اس قوم کے لوگ کسی مرکز کے گرد گھومتے ہوں۔ یعنی یہاں پر مرکز سے مراد دین اسلام ہے جو مسلمان قوم کو خواہ وہ کسی بھی حسب نسب کا ہو اجتماعیت بخشتی ہے۔ اور اگر وہ اس پرکار بند نہیں رہتا تو وہ قوم تباہ ہو جاتی ہے

دوسرے مصرعہ میں اقبال اجتماعیت کی بات اس طرح کرتے ہیں کہ اگر کوئی قوم مرکز ہی کے محور پر چکر لگاتی ہے تو ہم اس قوم کی خودی اجتماعی خودی ہو جاتی ہے اور ایسی خودی خدائی بن جاتی ہے یعنی یہ قوم خدائی احکام کو نافذ کرنے کے لئے دنیا پر چھا جانے کی قوت خود میں پیدا کر لیتی ہے۔

دوسرا شعر :- اس شعر میں اقبال نے فقر کی شانِ امتیاز بیان کیا ہے پہلے مصرعہ میں وہ کہتے ہیں کہ اگر ایک مسلمان اپنے کو فقیر تو کہتا ہے مگر جب اس پر دنیاوی زندگی میں کوئی مصیبت آتی ہے یا وہ مشکلات سے دوچار ہوتا ہے تو وہ خدا اور اپنی تقدیر سے گلہ کرنے لگتا ہے اور یہی فقر کی نفی ہے۔ "تلخیٔ دوراں" کا مطلب دنیا کے مصائب اور مشکلات ہیں۔

دوسرے مصرعہ میں اقبال یہ کہتے ہیں کہ ایسا شخص جو اپنے کو صاحبِ فقر ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اسکے فقر میں ابھی بوئے گدائی باقی ہے۔ یعنی اُس نے اپنی خودی کو مستحکم

نہیں کیا ہے اور وہ دوسروں کے احسان اور نوازشات کی آس لگائے بیٹھا رہتا ہے۔

تیسرا شعر:۔ پہلے مصرعہ میں 'اس دور' سے مراد موجودہ زمانہ ہے جو مادیت کا شکار ہے۔ "مردِ خدا" سے مراد وہ فقیر اولیٰ ہے جو ہر وقت جو بھی کام کرتا ہے اس میں وہ خدا کی رضا کا طالب رہتا ہے۔ اس لئے اقبالؔ کہتے ہیں کہ ایسے ہی زمانہ میں ایک مردِ خدا اپنی خودی کو فقر کی 'سان' پر چڑھا کر دنیا میں خیر و برکت کی راہ دکھلا سکتا ہے۔

دوسرے مصرعہ میں ایسی ہی تبدیلی لانے کو اقبالؔ نے ایک مردِ خدا کا 'معجزہ' کہا ہے اور یہ مردِ خدا پربت کو رائی بنا سکتا ہے یعنی دنیا کی بڑی سے بڑی طاقتوں کو اپنے بنگیں کر سکتا ہے جنکی مثالیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کی زندگیوں میں ملتی ہیں۔

چوتھا شعر:۔ اس شعر میں اقبالؔ مردِ مومن کو یہ تلقین کرتے ہیں کہ دنیا کے معرکوں یعنی حق و باطل کی جنگ میں جب تک ہیں مجاہدانہ تڑپ نہ ہو گی وہ کامیاب نہیں ہو سکتا اور یہ تڑپ یا ذوق صرف خدا کے بتائے ہوئے راستے پر چلنے سے پیدا ہوتے ہیں۔

پانچواں شعر:۔ اس شعر میں اقبالؔ "محراب گل" کی زبانی یہ دعا کرتے ہیں کہ مشرق میں جسے مغربی سامراجیوں نے سب سے زیادہ تباہی کے کنارے لا کھڑا کیا وہاں کوئی مردِ مومن پیدا ہو جائے تو ان کے کہسار کو 'حنائی ملبوس' پہنا دے یعنی اس میں حق کی خاطر جنگ کرنے اور کامیابی حاصل کرنے کے حوصلے پیدا ہو جائیں۔

سترھواں بند

پہلا شعر:۔ اس شعر میں اقبالؔ ایک مسلمان کے ایمان و یقین کی باتیں کرتے ہیں یہ دونوں الفاظ قرآنی اصطلاحات ہیں۔ ایمان کے ساتھ یقین کا ہونا بھی ضروری ہے۔ یعنی یہ یقین کی ساری طاقتیں صرف خدا کو حاصل ہیں۔ اقبالؔ یہ کہتے ہیں کہ اگر لاکھوں میں ایک شخص بھی ایسا یقین رکھتا ہو یعنی جو خدائے تعالیٰ کی صفات اور اسکے کمالات پر مکمل یقین رکھتا ہو تو ایسا ایک شخص "برنا و پیر" یعنی جوان اور بوڑھے سبھوں میں آگ پھونک سکتا ہے یعنی سبھوں میں جہاد کا جذبہ پیدا کر دے سکتا ہے اور وہ پوری قوم کو حق کی خاطر سر کٹانے کا جذبہ

پیدا کر دے سکتا ہے مگر شرط ایسے یقین کا ہے جسکا ذکر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سلسلے میں قرآن میں وارد ہوا ہے۔

دوسرا شعر:۔ اس شعر میں اقبالؔ یہ کہتے ہیں کہ ایسا انسان جو "خزف" یعنی ٹھیکری کو نگیں بنادے کبھی کبھی دنیا میں پیدا ہوتا ہے۔ ٹھیکری اور نگیں سے مراد یہ ہے کہ جو دنیاوی مادّیت کو روحانیت میں تبدیل کر دے۔

تیسرا شعر:۔ اس شعر میں اقبالؔ یہ کہتے ہیں کہ خدا نے انسان کو مجبور محض بنا کر دنیا میں نہیں بھیجا ہے بلکہ اس کو ایسی صلاحیتیں عطا کی ہیں جن کو بُروئے کار لا کر وہ دونوں دنیا کی زندگیوں میں سرفرازی حاصل کر سکتا ہے۔ اس لئے کہ اس کی تقدیر میں بہت سے صفحات خالی رکھے گئے ہیں تاکہ وہ اپنی محنت وصلاحیت سے ان صفحات کو پُر کرے۔

چوتھا شعر:۔ اس شعر میں اقبالؔ یہ کہتے ہیں کہ اگر انسان اپنے میں بلند عزم رکھے اور ہمت سے کام لے تو وہ آسمان، جہاں تک پہنچنا وہ بہت مشکل سمجھتا ہے وہاں تک ضرور پہنچ سکتا ہے۔ یعنی ہمت کے ذریعہ انسان مشکل سے مشکل معرکوں کو سر کر سکتا ہے گرچہ بظاہر وہ مشکل معلوم ہوتے ہیں۔

پانچواں شعر:۔ اس شعر میں بھی اقبالؔ نے فقر کی شان بتائی ہے۔ کہتے ہیں کہ علم فقری حاصل کرنا بظاہر تو بہت مشکل معلوم پڑتا ہے لیکن اگر انسان ہمت سے کام لے تو وہ اپنے نفس پر قابو پا کر اس مقام پر بھی جا سکتا ہے جہاں ساری دنیا اس کی مٹھیوں میں ہوتی ہے اور وہ اپنے گرد و پیش پر چھا جاتا ہے۔

اٹھارہواں بند

پہلا شعر:۔ اس شعر میں اقبالؔ نے ایسے تو قبائلی امتیازات کی وجہ کر انکی دین اسلام سے بیگانگی اور ملت اسلامیہ کے ٹکڑے ٹکڑے ہونے کی باتیں کی ہیں۔ مگر انکی مراد اس امتیاز کی مذمت ہے جو حسب ونسب، قوم اور عقیدہ پر رکھی جائے۔ انہوں نے شیر شاہ سوری کا نام اس لئے لیا چونکہ وہ ایک سچا دین اسلام کے پرچم کو بلند رکھنے کا

حوصلہ رکھتا تھا۔

دوسرا شعر:- اس شعر میں اس بات کی مثال اقبال نے خود افغانیوں کو دی ہے جہاں سب سے زیادہ قبائلی امتیازات آج بھی پائے جاتے ہیں اور قبیلوں کے نام پر افغانستان میں ہمیشہ آپس میں چشمکیں رہتی ہیں جس کا فائدہ مغربی سامراجیوں نے ہمیشہ اٹھایا۔
دوسرے مصرعہ میں اقبال نے مثال کے طور پر افغانیوں کے چند قبیلوں کا نام دیا ہے جیسے وزیری اور محسود

تیسرا شعر:- اس شعر کے پہلے مصرعہ میں کہا گیا ہے کہ جس طرح حرم کعبہ میں کسی زمانہ میں لات ومنات کے بت رہا کرتے تھے اسی طرح آج تمام مسلمان خدا کو چھوڑ کر غیر اللہ کی پرستش میں لگے رہتے ہیں اور اُسی کو اپنا حاجت روا سمجھتے ہیں۔
دوسرے مصرعہ میں اقبال دعا کرتے ہیں کہ خدا مسلمانوں کے ایمان کو پختہ کرے اور انہیں صحیح راستہ پر چلنے کی ہدایت دے۔

انیسواں بند

پہلا شعر:- اقبال کے کلام میں لفظ "نگاہ" ایک خاص اہمیت رکھتی ہے۔ اس شعر میں انہوں نے یہ بتایا ہے کہ ایک نگاہ تو وہ ہے جس سے انسان ظواہر کو دیکھتا ہے مگر نگاہ وہ ہونی چاہیئے جو دل میں روشنی پیدا کر کے اس میں روحانیت کی ترغیب دے۔ پہلے مصرعہ میں پہلی نگاہ کی بات کی گئی ہے یعنی اقبال اُس نگاہ کو پسند نہیں کرتے جو صرف رنگوں کی پہچان کر سکے یعنی جس کی نگاہ صرف دنیاوی باتوں تک محدود ہو۔
دوسرے مصرعہ میں اس نگاہ کو پیدا کرنے کی تلقین کرتے ہیں جو مہر و ماہ یعنی دوسروں کی محتاج نہ ہو بلکہ خود اپنی خودی کو تزکیۂ نفس کے ذریعہ مستحکم کر کے دوسروں کے لئے مشعلِ راہ بنے۔

دوسرا شعر:- اس شعر کے پہلے مصرعہ میں فرنگ سے مراد مغربی تہذیب مغربی علوم اور مغربی طرزِ فکر ہے۔ اقبال مسلمانوں کو یہ چاہتے ہیں کہ تیری منزل مغربی تہذیب۔

تعلیم اور طرز فکر سے بہت آگے ہے۔ مطلب یہ کہ مغربیت انسان کو صرف مادیت کا رجحان پیدا کرتی ہے جبکہ مسلمانوں کو روحانیت کا دلدادہ ہونا چاہیئے۔

اسلئے دوسرے مصرعہ میں کہتے ہیں کہ فرنگیوں کی اُس منزل سے آگے بڑھ کر اور اپنی خودی فقر کے ذریعہ اُس مقام پر پہنچنے کی کوشش کر جو خدا نے تیرے لئے خلیفۃ الارض کی حیثیت سے متعین کیا ہے

تیسرا شعر:۔ کچھ شعر میں اقبال نے باور کرایا ہے کہ مغربی علوم حاصل کرنا کوئی گناہ نہیں اسلئے کہ انہوں نے خود اپنی ساری ڈگریاں لندن اور جرمنی سے حاصل کیں۔ پہلے مصرعہ میں "مے خانے" سے مراد یورپ کے تعلیمی ادارے ہیں اور اقبال یہ کہتے ہیں کہ یہ ادارے دنیا بھر کے لوگوں کے لئے کھلے ہوئے ہیں اسلئے دوسرے مصرعہ میں کہتے ہیں کہ مسلمان اگر ان اداروں میں تعلیم حاصل کریں تو کوئی گناہ نہیں مگر اس کے ساتھ وہ ایک شرط لگا دیتے ہیں جس کا ذکر اگلے شعر میں کیا گیا ہے۔

چوتھا شعر:۔ اس شعر کے پہلے مصرعہ میں اقبال یہ تنبیہہ مسلمانوں کو کرتے ہیں کہ اگر تو صرف مغربی تعلیم حاصل کرنا ہی زندگی کا اصل مقصود سمجھتا ہے تو تیرے لئے "موت" یعنی ہلاکت کا باعث ہوگا کیوں کہ تو روحانیت سے عاری رہے گا۔

دوسرے مصرعہ میں ہلاکت سے بچنے کے لئے وہ یہ کہتے ہیں کہ ایسی تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے بدن میں "سوز لاالہ" بھی پایا جانا چاہیئے یعنی اسکا اپنے دین اسلام پر مضبوطی پر جمے رہنے کا بھی ساتھ ساتھ عزم رہنا چاہیئے تاکہ مغربی تعلیم سے پیدا شدہ مادیت اس کی روحانیت پر غالب نہ ہو سکے۔

پانچواں شعر:۔ اس شعر میں اقبال کی مسلمانوں کی بے حسی پر جھنجھلاہٹ نظر آتی ہے پہلے مصرعہ میں انہیں شک ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کو دین اسلام کے راستوں پر چلنے کی جتنی تاکید کی ہے شاید وہ اس پر عمل نہ کریں۔ "خانزادگان کبیر" سے مراد مسلم معاشرہ کے وہ لوگ ہیں جو بظاہر تو اپنے کو مسلمان کہتے ہیں مگر وہ صرف اپنی بڑائی اور دنیاوی جاہ و جلال کو ہی زندگی کا مقصد سمجھتے ہیں اسلئے ایسے لوگ شاید ہماری بات کا

دھیان نہ دیں۔

دوسرے مصرعہ میں انہیں شک اسلئے بھی ہے کہ وہ "گلیم پوش" ہیں یعنی ایک کمبل اوڑھے فقیر ہیں اور ایسے لوگ انکی باتوں پر دھیان نہ دیں گے۔

بلیسواں بند

پہلا شعر:۔ اس شعر کے پہلے مصرعہ میں فطرت کے مقاصد سے مراد خدائی احکامات اور ارشادات ہیں۔ اس شعر میں اقبالؔ یہ کہہ گئے ہیں کہ صرف ایک "بندۂ صحرائی" یا "مردِ کہستانی" خدائی احکام کی نگہبانی کرتا ہے۔ مطلب یہ کہ جس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح صحرا و کہستان میں اپنی خودی کو مستحکم کر دیا ہے وہی ان مقاصد (یعنی خدا نے مسلمانوں پر جو فریضہ عائد کیا ہے) کی نگہبانی کرتا ہے یعنی اُسے عمل میں لانے کی کوشش کرتا ہے۔

دوسرا شعر:۔ اس شعر میں فقر کی صفات بیان کی گئی ہیں یعنی جس شخص نے اپنی خودی کو فقر کی شان پر چڑھا کر شمشیر بنا دیا ہے وہی اس کا مقابلہ کر سکتا ہے اور 'محاسب' ہے "تہذیب فسوں گر کا" سے مراد اسی باطل سے بچنے اور دوسروں کو بچانا ہی ہے۔

دوسرے مصرعہ میں فقر کی شان بیان کرتے ہیں کہ ایسے شخص کی فقیری میں سلطان کے وہ سارے محرکات ہیں جن سے وہ دنیا پر حکمرانی کر سکتا ہے۔

تیسرا شعر:۔ اس شعر میں اقبالؔ مسلمانوں میں جہاد کا جذبہ پیدا کرنا چاہتے ہیں اور اس کی مثال انہوں نے بلبل و شاہین کی دی ہے۔ مطلب یہ کہ بلبل ہے تو بہت خوش گلو اور خوبصورت مگر بہت نازک پرندہ ہے جس میں صرف حسن و لطافت ہے۔ یعنی اگر مسلمان عیش و عشرت ہی کو اپنی زندگی کا مقصد سمجھتا ہے تو یہ دین اسلام کی نفی کرتا ہے۔ اسلئے اقبال کہتے ہیں جس طرح شاہین اپنا آشیانہ نہیں بناتا، دوسروں کا مارا نہیں کھاتا، بلند پرواز ہے اور ہر وقت اپنے شکار کے جدوجہد میں لگا رہتا ہے اسی طرح۔ مسلمانوں کو بھی شاہین کی فطرت اپنانی چاہیئے نہ کہ بلبل کی۔ اسلئے کہ شاہین کی فطرت میں

"قوت اور شوکت" ہے اور مسلمانوں کو چونکہ "خلیفہ الرض" کے فرائض انجام دینا ہے تو وہ اسی فطرت ہی کے ذریعہ ممکن ہے۔

چوتھا شعر:۔ اس شعر میں اقبال نے خانقاہوں اور پیروں کے طرز فکر اور طرز تعلیم کی مذمت کی ہے۔ پہلے مصرعہ میں اُسے شیخ سے مراد ایسے ہی لوگ ہیں۔ اس مصرعہ میں "مکتب" سے مراد دینی درسگاہیں ہیں جنہیں ان خانقاہوں کے متولی اور حرم کے پیر چلاتے ہیں

پہلے مصرعہ میں ایسے لوگوں سے اقبال کی مراد یہ ہے کہ ان مکتبوں میں جو تعلیم آپ دے رہے ہیں وہ بظاہر تو بہت صحیح معلوم ہوتی ہے مگر اس میں روحانیت کے جذبات پیدا کرنے کا فقدان ہے۔

دوسرے مصرعہ میں مسلمانوں کو یہ کہتے ہیں کہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اوصاف اگر تم پیدا کرنا چاہتے ہو تو وہ ان مکتبوں سے ممکن نہیں اس کے لئے انہیں صحرا یعنی خلوت میں اپنی خودی کو مستحکم کرنے کی ضرورت ہے۔

پانچواں شعر:۔ اس شعر میں بھی وہی باتیں کہی گئی ہیں پہلے مصرعہ میں کہتے ہیں کہ ایسا انسان جس کا تصور وہ پیش کر رہے ہیں وہ صدیوں میں جا کر پیدا ہوتا ہے اور دوسرے مصرعہ میں کہتے ہیں کہ جب وہ پیدا ہوتا ہے تو اس کی تلوار یعنی اس کی قیادت مسلمانوں کے لئے نشہ کا کام کرتی ہے اور انہیں اسلام کا پرچم بلند کرنے کے لئے مر مٹنے کو تیار ہو جاتی ہے۔

****


DBD


DBD